



کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا مگر اس کے باوجود ان میں سے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ اندر جا کر دیکھتی، وہ چاروں دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھیں جبکہ شیراز اور احد ہنگامہ شروع ہوتے ہی کمرے سے نکل گئے تھے، فری کل ہی نیٹے آئی تھی، کمرے کی آنکھوں میں جیسے خون اتر رہا تھا اور کان اندر سے آنے والی آوازوں کی طرف گئے ہوئے تھے، اچانک دھڑ سے دروازہ کھلا اور انور صاحب برآمد ہوئے، ان کا چہرہ غصے کی شدت سے نال بھبھوکا ہو رہا تھا، وہ ادھر اُدھر دیکھے بغیر میز چیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے جب کچھ دیر انتظار اور اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب انور صاحب پیچھے نہیں آئیں گے فری اور صبا ماں کی طرف بڑی خوفناک پہنچتی رو رہی تھیں چہرے پر تیل اور خراشوں کے نشان ان کے بھاری حد تک تازہ کارنامے کے گواہ تھے۔

سے لگائیں چار اہل تھیں جسے سارا قصور اسی کا ہو، فری اور صبا کے اندر جانے کے بعد بھی حرم اسی طرح باہر ہی کھڑی رہی، منہ تو صبا اور فری کے اندر جاتے ہی یہاں سے ہٹ کر تھیں، اب وہ بے تاثر انداز میں بستر پہ لیٹی ہوئی تھی، آدھے گھنٹے پہلے جب انور آمنہ کو تقریباً گھسیٹے ہوئے اندر لے کر گئے تھے تو منہ باہر ہی کھڑی تھی، صبا اور فری رو رہی تھیں حرم کے چہرے پر پتھر کیے ٹاٹرات تھے اور منہ بالکل بے حس تھی، فری ماں کو اپنے کمرے میں لے آئی، وہ ابھی بھی ہنس رہی تھیں ان کی ایک ٹانگ میں بھی چوٹ لگی تھی درد اور سوچیں تھی، صبا نے زخموں والی دوا ان کی ٹانگ پہ لگائی ساتھ ہی پی بھی کر دی، صبا دودھ میں ہندی ڈال کر کے آئی اور زبردستی آمنہ کو دودھ پلایا، شیراز اور احد کا دل دیر بعد گھرواپس آئے روز روز کے ان جھگڑوں سے پورے گھر کا ماحول بہت عجیب اور تازہ کاٹھا تھا۔

مکمل ناول



انور صاحب ذرا ذرا سی بات یہ اعتراض کرتے تھے، عورت ذات کو وہ دبا کر رکھنے کے قابل تھے اسے علاوہ انہیں گھر کے سب افراد میں بری، نادان نظر آتیں، سب کے سامنے بیوی بچوں کو ذلیل کر دینا ان کا وطن تھا۔

ان چاروں بہنوں نے جوانی کی سرحدوں پہ قدم رکھنے سے بھی پہلے یہ نگی محسوس کر لی تھی، ہر بات میں بے جا روک ٹوک مخالفت اور اعتراض، پھر وہ شکی بھی تھے، آمنہ کی شادی کے بعد انہوں نے بہت سی باتوں اور کاموں سے روک دیا تھا، اسے زیادہ دیکھنے کے آئے جانے کی اجازت نہیں تھی نہ ہی وہ اکیلے آ جاسکتی تھی، شادی کے دوسرے دن ہی انور صاحب نے کہہ دیا تھا کہ تمہارے سر کا بال بھی کسی مرد کو نظر نہیں آنا چاہیے، حالانکہ وہ بڑی سی چادر میں اپنا جسم ڈھانپ کر رہتی مگر ان کی نظر میں یہ ستر پوشی کے لئے کافی نہیں تھا سو وہ خود اس کے لئے موئے کپڑے کا برقعہ سلوا کر لے آئے ساتھ دستانے اور جرابیں بھی تھیں، سردی گرمی میں آمنہ کو برقعے کے ساتھ دستانے اور جرابیں بھی پہنی پڑتیں۔

-----

شادی کے پہلے برس منزه پیدا ہوئی اس کے بعد فری پھر صاحب کی اسی حساب سے انور صاحب کی سستی اور درشتی میں بھی اضافہ ہوتا گیا، اعداد و شیراز کی پیدائش کے بعد بھی حالات جوں کے توں رہے ہاں اتنا ضرور ہوا کہ انور صاحب دونوں صاحبزادوں سے لاڈ کر لیتے انہیں باہر ہر جگہ ساتھ لے جاتے، منزه، صبا اور فری کی یہ رعایت حاصل نہیں تھی وہ ان کے گھر آنے کے بعد بھی یہی رہتی آواز تو گویا جیسے گلے میں ہی گھٹ جاتی، سب سے آخر میں حریم پیدا ہوئی یہ منزه اور فری ماں کے بہت زیادہ قریب تھی پہلے ان کا خیال تھا کہ انہیں زیادہ مسائل کی وجہ سے جھڑا کرتے ہیں کیونکہ گھر میں ہی بندھی خواہ آتی

تھی اور اسی میں سب بویا کرنا پڑتا تھا، منزه قریب قریب بارہ سال کی تھی جب دادا ابو نوت ہوئے ان کی اچھی خاصی جائیداد تھی جو تین بچائیوں میں برابر تقسیم ہوئی کیونکہ بہن تو کوئی تھی نہیں، پیسہ ہاتھ میں آتے ہی انور صاحب نے اپنا کاروبار شروع کر دیا، اور والے نے چند سال میں ہی وہ برکت دی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

خبر کے پرسکون اور خوبصورت غلامے میں انہوں نے ایک خوبصورت گھریلو گروا یا، اب ہر سہولت کی فراوانی تھی مگر وہ ویسے ہی تھے، عزت میں وہی تھی برقرار تھی اب بھی ذرا ذرا سی بات یہ وہ آمنہ کو جوان اولاد کے سامنے دھنک کر رکھ دیتے اور کسی میں ہمت نہ پڑتی کچھ کہتا، بس خاموش تماشا ہی بنے دیکھتے رہتے آمنہ یہ اپنے میکے والوں سے ملنے اور آزادانہ آنے جانے کی پابندی اب بھی برقرار تھی، انور صاحب کا اپنے بچپن بھائیوں اور رشتہ داروں کی طرف اپنا رویہ نہیں تھا، وہ سب یہاں آتے ملتے بیٹھتے ہنستے مسکراتے دعوتیں اڑاتی جاتی۔

شروع کے چند سال آمنہ کے دونوں بھائی بہنوئی کے ہانت آمیز پر تکبر رویے کے باوجود بہن کی خبر گیری کو آتے جاتے رہتے پھر ماں باپ کی نیکے بعد دیکر وفات کے بعد انہوں نے بھی آنا جانا چھوڑ دیا، اب کسی خوش یا مکی کے سوچے نہ تھے وہ بہن اور اس کے بچوں سے ملنے، یہ موقع بھی کبھی کبھار ہی آتا تھا۔

گھر سے باہر انور صاحب اس کچھ خوش باش زندہ دل شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے تھے مگر گھر میں داخل ہوتے ہی جالنے نہیں کیا ہو جاتا تھا، شاید ہی ان چاروں بہنوں سے انہوں نے کبھی نرمی سے بات کی ہو، آمنہ کو اولاد کے بارے میں فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا، یہی وجہ تھی جب سترہ سال کی عمر میں منزه کی شادی

ہوئی تو اس منور صاحب سے کہا کہ ابھی منزه بہت چھوٹی ہے کم سے کم تین اسے تو کر لے پھر شادی کر دیں گے کون سا عمر کی جارہی ہے مگر وہ نہ مانے اور ہم عمری میں ہی بیاہ کر سسرال چلی گئی، منزه ک شوہر جو انور صاحب کے دوست کا بیٹا تھا جو ان کے بزنس پارٹنر بھی تھے، دولت کی ریل چل گئی پھر اس شادی سے انور صاحب کو مالی فائدہ بھی متوقع تھا سو اس لالچ میں انہوں نے کم سن بیوی بیاہ لی تھی۔

شادی کے بعد بہت جلدی منزه کے سسرال کی حقیقت کھل گئی، جو ادنیٰ کی منڈ لائے والا بھوترا تھا، ڈال ڈال کر جربہ کار، اس کے ساتھ نہ جانے کیا نفسیاتی مسئلہ تھا کہ وہ آئے روز منزه کو مارتا، صرف چھ ماہ بعد سسرال والوں نے طلاق دے کر روانہ کر دیا کہ بہن تو مر رہی ہے اسے دوسرے گرتے ہیں ہمیں حقیقت بتانی ہی نہیں، جس پر انور صاحب نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، اب منزه صرف انچائیس سال کی تھی مگر صحت اور جیسے بے جا پائیس سال کی نظر آتی۔

انور صاحب نے ایک بار بھی کسی ڈاکٹر سے رجوع نہیں کیا، حالانکہ رشتہ داروں نے کہا بھی کہ منزه کو کسی اچھے سائیک ٹریسٹ کو دیکھا دیر ایسے ہی مشورے یہ انہوں نے کان نہیں بھرا، منزه کو اندر ہی اندر روگ لگ گیا، اس کے دوروں کی بہت بڑھتی گئی جب اسے دوسرے پر تاتا تو وہ کسی کے گلاب میں نہ آتی، جاتے کہاں سے اتنی طاقت اس کے کمزور وجود میں آ جاتی کہ انور صاحب بھی ماننے آئے سے گریز کرتے، دوسرے کی حالت دیکھ کر اس کے قریب نہ جاتا تو دیر دیر سے چھین چھین کر جو چیز بھی ملتی اسے خود وہاں پر دیا اور سے نکالتی اسے مار ڈالتی تھی بہت دیر کی۔

منزه کی جب شادی ہوئی تو اسے پہلے ہی گھر کے بڑے بھائی نے اپنے بیٹے فراز کے منزه کا رشتہ مانگا تھا، جس پر انور صاحب نے

بہت شور مچایا آمنہ کو مارا نہیں سو فیصد یقین تھا کہ منزه کا اپنے ماموں زاد سے کوئی غلط قسم کا تعلق ہے جس کی وجہ سے انہوں نے رشتہ مانگا ہے اس شک کی وجہ سے منزه کی سب گناہ ذات بھی زیرِ خطاب آئی، انور صاحب چھپ چھپ کے اس کے کمرے کی کھڑائی کرتے تھے بار انہوں نے اس کی الماری اور چیزوں کی تلاش کی، وہ بے پاؤں گھر میں داخل ہوتے کسی کو بھی خبر نہ ہونے دیتے اور چھپ کر بیٹی کی باتیں سنتے اس کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لیتے۔

پھر چار ماہ کے اندر ہی اندر انہوں نے منزه کو بیاہ دیا، یہ حادثہ بھی اس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ طلاق کا داغ سجا کر دوبارہ باپ کی دہلیز پہنچی، اس کے ماموں کی محبت نے دوبارہ جوں مارا اور اپنے جذبات اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے پھر رشتہ طلب کیا، اس بار وہ کسی حقیقت سے لاعلم تھے کہ منزه کو دوسرے پڑا شوہر سے ہو گئے ہیں، اس بار انور صاحب کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ منزه کا واقعی اپنے ماموں زاد سے کوئی چکر ہے جس کی وجہ سے اس نے جان کر اپنے شوہر سے طلاق لی ہے اور اب ڈرنے کر رہی ہے، چاروں بیٹیوں کے بارے میں ان کی سوچ مٹی تھی منزه کی روچ پہلے ہی گھائل تھی، انور صاحب نے کمرہ بند کر کے اس کا جرم بتایا اور پھر قبول کرنے کی کوشش بھی کی اور اس کوشش میں ناکامی کے بعد اسے جی بھر کر مارا، اس واقعے کے بعد ہی منزه کی حالت بہت زیادہ خراب ہوئی، مرنے کی بات یہ کہ اس بات پر انور صاحب کو کوئی لال نہیں تھا انہوں نے اپنے میں جی کو اس قابل چھوڑا ہی نہیں تھا وہ اب کوئی چکر چاڑھتی۔

منزه شروع سے ہی سرخا میرنجان سم کی بیوی تھی، سب سے پہلی اولاد وہی تھی اور سب سے پہلے باپ کے خطاب کا شکار بھی وہی ہوئی، اس کے بعد فری کا نمبر تھا جس کی حال میں ہی شادی





اکا تو پتہ چل جائے کہ شوہر کو کیسے خوش رکھا جا سکتا ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔  
 "میں نے کہا تھا ٹائٹ ڈریس پہننے کو، نیوں نہیں پہنا دو۔" یاسر کے لہجے میں غصے کی جھلک نمایاں تھی اب وہ مودی کے بجائے اس کی طرف متوجہ تھا۔

"بس میں نے کبھی ایسا پہننے کا سوچا بھی نہیں۔" وہ بے چارگی سے پوچھتی یاسر کو اور بھی بری لگی، نہ جانے اس کے دماغ میں کیوں آگ سے بھرے لگی تھی اس کا ہاتھ میکانیکی انداز میں گھوما اور فری کے گل پہ چٹاٹ سے پھینک پڑا پھر وہ رکاوٹیں مارتا چھا گیا، فری نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں تو چلائے مگر سڑ سے آواز نہیں نکالی کیونکہ اس نے اپنی ماں کی آواز نہیں سنی تھی جب بھی ای بوجھ کے ہاتھوں میں خاموشی سے سہ جاتی۔ سب آہستہ اندر اتار جاتی، وہ خاموشی سے مارکھا رہی تھی، یاسر کو اس پہ کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

انور چیلانی آفس سے آج قدرے جلدی آ گئے تھے، فی دی لاؤج کی طرف سے آئی آوازیں بتا رہی تھیں کہ کوئی مہمان آیا ہے سو وہ ادھر ہی چلے آئے، اندر فری آئی بیٹھی تھی اور کب شب ہو رہی تھی، اندر کا منظر دیکھتے ہی ان کے لب باہم پھٹتے ہوئے، فری نے خود ہی اٹھ کر سلام کیا۔

"اسلام دیکھو! ابو آپ کیسے ہیں؟" وہ حال احوال دریافت کرتے ہوئے شرمندہ سی نظر آنے لگی تھی، جو باقاعدہ خواستہ انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے کیا اس پہ احسان تقسیم کیا۔

"تمہارا دل اپنے گھر میں نہیں لٹکا کیا؟" وہ عجیب سرد لہجے میں سرد نظروں سمیت اسے دیکھتے ہوئے بچہ چور سے تھے، جالا ناکہ فری پورے ایک ماہ اور تین دن کے بعد آئی تھی، اس کی بے چارگی

پہ پائی نہیں اسے تا صاف سے دیکھ رہی تھی، خود فری کو بھی احسان تھا کہ اس کی آمد پہ اپنے خوش ہوتے، بس ای اور بیٹیوں کی خاطر وہ پانی آئی کیونکہ ابو کا رویہ ہمیشہ اس کی آمد پہ سرد اور روٹنا پھینکا ہی ہوتا، ابھی بھی وہ اس کے احسانات سے بے خبر پلٹ کر جا چکے تھے۔

صبا اور حریم نے اس کی آمد پہ خاصا اہتمام کر رکھا تھا مگر اس کی بھوک مریچکی تھی، حریم شہر کی لیمار پڑچ کر قدرے بوئی تو فری سناٹے نظر نہیں آ رہی تھی، اوائل نومبر کے دن تھے بجیک ڈنک کی گھنٹی وہ کمرے میں چلی آئی، فری منہ اڑاتے ہوئے رہی تھی، جب فری سینے آئی تو چاروں بیٹیوں اپنے تئیں کمرے میں ڈیرہ بناتی آت تھیں، چھ ایسا ہی ماحول تھا مگر فری خلاف معمول بہت جلدی ہوئی تھی، حریم بھی آ کے لیٹ گئی مگر خیندا آنکھوں سے کوسوں دور تھی، رات قطرہ قطرہ تر رہی تھی گھڑی کی ٹکٹ ٹک ماحول میں وہ بے خوابی کے ساتھ طرف سے کام کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جوتنگ سی کی اندھیرے میں کسی کی آواز آئی تو دو اظہار کی کیفیت میں اٹھ کر بیٹھتی، اب ان کی صاف کھلی کھلی سسکیوں کی آواز آرہی تھی، آواز کا مرکز وہ جان کی تھی، یہ فری تھی، جو بہت دیر سے سونے کی کامیاب اداکاری کر رہی تھی۔

وہ اندھیرے میں ہی ٹٹول کر اس کے پاس پہنچا۔

"آپ کیا ہوا ہے؟" وہ اس کی سسکیوں سے گریز کرتی ہوئی تھی، اس نے گھر سے بیٹھ کر جاگ گئی اور اب سترہ بھی آگے نہیں مل سکی تھی، ان کی طرف دیکھ رہی تھی، اس دوران صبا نے لپک لاپیت جلا دی تھی، اب نوڑتین پہ تھی کہ مزہ سمیت وہ دونوں بھی فری کے بچہ پہ جمع ہو گئیں، سب سے پہلے حریم کی خطرناک فری کی گردن اور بازوؤں پر نظر آنے والے تیل پہ پڑی، جب سے وہ آئی وہ دوپٹہ نہ تھے تک اونٹھے بھی تھی، جب سونے

اور اے سے لٹی تھی تو تب چادر اس نے اتاری تھی، جن دھڑوں کو وہ پھیلا رہی تھی، لب میاں ہو گئے تھے، کچھ چھپانے کو ہاتھی تکی چس رہا تھا، ہولے ہولے روئے جلتے لرزاتے کانٹے ہوئے اس سے وہ یاسر کی کارگزاریاں بیان کرتی تھی۔

حریم ان سب کے سونے کے بعد بھی بیڈ سے ٹپک لگاتے بیٹھی رہی، اس کے اندر غم دھیسے سے طوقان اٹھ رہے تھے، فری کی کمر باز دلوں اور ناچوں پہ بڑے تیل سے بھول نہیں پارہے تھے، بظاہر بڑھا لکھا اور مہذب نظر آنے والا یاسر اس طرح بھی کر سکتا ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس کے لیوں پہ رخ سی سترہ امت کے دم توڑ گئی۔

انور صاحب بھی تو دیکھنے میں کتنے مہذب اور نرم سے تھے تھے کوئی سرف ان کا ظہور دیکھ کر بھلا کہہ سکتا تھا کہ اندر سے وہ اتنے مخور اور مستحیل ہوں گے، ان ماں بیٹوں کے لیے تو وہ سرد و برقی تھے ہاں، بچپن سے ملے کر اب تک کتنے ہی واقعات اس کی نگاہوں میں جھوم لڑے ہوئے، ایسی بہت سی باتیں اسے یاد تھیں جو ہرگز ایسی خوشوار نہیں تھیں۔

صبا اور حریم دونوں نے آج فری کی خاطر کالج سے چھٹی کر لی تھی، ابھی ابھی صبا نے فری کے لئے چھائی فری کی بھی جو اسے بہت پسند تھی، شام کے سناٹے ڈھل رہے تھے حریم فری کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، انور صاحب آفس سے گھر آئے تو کھانے کے باوجود وہ ابھی تک لان میں پڑی کین کی چیئر پر بیٹھی تھی، انور صاحب دلوں کو کسر نظر انداز کرتے ہوئے اندر بلا گئے حالانکہ دونوں نے قدرے بلند آواز میں انہیں سلام کیا تھا جس کا جواب دینا بھی انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا، اب ہی فری کی ہانکوں پہ ننھے ننھے ستارے چمکنے لگے، جنہوں نے چھپانے کے لئے اس نے رخ

موڑ لیا، مگر حریم ابھی طرح جان مچی تھی کہ اس کے رخ موڑنے کا سبب کیا ہے کیونکہ اس کی حالت بھی تو فری سے مختلف نہیں تھی، فرق بس اتنا تھا کہ بس کے آنسو اندر ہی اندر گرتے تھے، اس کے اندر لاتنا ہی کانٹوں کا جنگل اب آیا تھا جس کی ٹوک ٹوک نہہری تھی۔

اس رات حریم کی گود میں سر رکھ کر روئے ہوئے فری نے کتنی معصوم معصوم سی خواہشات بیان کی تھیں۔

"میرا بہت دلزکرتا ہے کہ ابو مجھے سینے سے لگا میں بھانگی ہوئی تھی، بچی کی طرح ان کے لیٹ جاؤں ضد کروں، جیسے بچے کرتے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ بچپن کا کوئی لمحہ مجھ میں ضمیر گیا ہے وہ چھوٹی چھوٹی سی خواہشات مجھ میں جم کر رہ گئی ہیں جیسے جادو کے زور سے کوئی چتر بنا گیا ہو، پتہ ہے اس بار گل آئی کی آمد پہ سب کتنا خوش ہوئے۔" اس نے اپنی نیند کا دم لیا جس کی شادی یاسر کے ساتھ ہوئی تھی، بس ایک دن کے فرق سے کل کی رات تھی اور یاسر کی بارات گئی تھی، اس بار وہ وہ ہنستے ہوئے آئی تو اس کے سانس سسزا اور یاسر کی خوشی دیکھنے والی تھی، اس کے سسر نے اپنی بچی کو سینے سے لپٹا لیا تھا، وہ بھی کیسے بچی کی طرح لاڈ اٹھوا رہی تھی، اس دن ایک ایک چیزیں کی پسند سے بنی تھی، وہ جانے کے برتن اٹھانے کی تو ایک منظر نے قدم وہیں روک دیئے، گل صوفے پہ بیٹھی تھی اس کی ایک طرف ماں اور دوسری طرف باپ تھا درمیان میں وہ مہمان خصوصی کی طرح تھی، اس کا سر باپ کے کندھے پہ تکا ہوا تھا، بچی کی طرف دیکھتے ہوئے دنیا جہاں کی محبت ان کی نگاہوں میں سم آئی تھی، وہ تری پائی نظروں سے اس منظر سے گویا قطرہ قطرہ جذب کر رہی تھی جب اس کی سانس کی نظر فری پہ پڑی جانے اس کی نگاہوں میں کیا تھا کہ ان کے لہجے میں غصہ شامل ہو گیا۔



بیٹا تھا کیونکہ انور گیلانی کو کم حیثیت لوگوں سے  
 نیل جوں اچھا نہیں لگتا تھا، اس حیثیت کے  
 باوجود کہ یہاں ان کی بیٹی کا سسرال ہے وہ ایک  
 درجہ بھی اس کے گھر نہیں آئے باقی بیوی اور بیٹیاں  
 کسی جتنی میں ہی نہیں تھیں، یا سسرال کی طرف  
 نہ دیکھتا تھا نہ دیکھتا تھا، انور صاحب  
 پر جو ان کی طرح محروقت میں سب کچھ حاصل  
 کر لیتے تھے وہ بھی ترقی کے لئے شاد  
 تہ نہ دیکھتا تھا، تب ہی تو فری نے شادی کی  
 بصورت میں اپنے اپنے خوابوں کی تعمیر حاصل  
 ہوئی نظر آ رہی تھی، یہ جو وہاں پہاڑ کا چہ بانا  
 حساب ہو گیا، فری کو کم قیمت چیز اور دیگر  
 چیزیں دیکھتا تھا، آپ ادا کرنے کے مترادف تھے وہ  
 کیا کیا سوچے بچا تھا، اور پر سے فری کی طرح  
 بھی ان کا تکیہ نہیں تھی، اپنی لائف پارٹ کو وہ  
 پر جوش اور زندگی کی حرارتوں سے بھر پور دیکھنا  
 جانتا تھا، وہ زندگی کے ہر بریکنگ سے خوشیاں  
 منگوانے کا قابل تھا، فری دوسرے سے اتنا  
 بے محروم ماحول کی پروردہ کہیں اس کی تیار  
 رفتار کا ساتھ دے سکتی تھی یا سسرال کے خوابوں کا کل  
 چکانا چاہتا تھا اور اس کا بدلہ وہ فری کو بار  
 لیتا اسے تھا کہ اپنے گھر سے کتنی کراہی جیسے ایک  
 اور گھر میں آگئی ہے، فری کی خاموشی سے وہ شہر  
 ہو گیا پھر اس نے سبے والوں سے واپس  
 بہ سلوک اور مہربانیت کی شکایت بھی نہیں کی اور اس  
 کے اس محل نے یا سسرال کے دل سے رہے رہے ڈر کو  
 بھی ختم کر دیا۔

اس پشادی مرگ کی کیفیت طاری رہی جب  
 پہلی بار انور نے اسے پاس بٹھا کر اس کے سر پر  
 ہاتھ پھیرا اسے انتہائی نرمی سے گلے سے لگایا۔  
 ان دنوں ان کا رویہ پورے گھر والوں سے  
 ہی بدلا ہوا تھا، آئندہ سے بھی نرمی سے بات  
 کرتے، صبا کی بات بات سے بات چیتی تھی اور  
 آنکھوں میں ستارے دیکھتے، سدا کی تنہید وہ  
 حساسی کی طرح کتنی خوش مزاج ہو گئی تھی کہ دیکھتے  
 والی آنکھ کو بھی دھوکہ ہونے لگتا، انور صاحب  
 میں داخل ہوتے تو دوسری پروانے کی طرح ان  
 کے گرد طواف کرتی، ہر کام میں ایک تکرار تھی۔  
 اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، اتنا  
 کچھ اس کے لئے کر آئے تھے، جدید ٹیشن  
 کے لئے چار ریڈی میڈ سوٹ، میچنگ سینڈل،  
 ایک کنڈن کاسیٹ، ٹیف اور جانے کیا کیا، باہر  
 ساتھ ہی ایک بڑا سا ٹیک جس پر پتی برتنوں  
 لکھا ہوا تھا۔

انور صاحب کی بیوی کی میسرانہ سسرال سے تھی  
 نے سب کچھ آج ان کو یاد دلاتا تھا، ان دنوں  
 میں بے پناہ محبت سے وہ اسے دھرتے تھے،  
 صبا کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو پھلک  
 آئے جنہیں اس نے بڑی بھائی سے چھپا لیا،  
 اسے لگ رہا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے جو  
 آج نہیں کھلتے ہی اڑ جائے گا۔  
 "اے اللہ اگر یہ خواب ہی ہے تو بھی نہ  
 ٹوٹے" اس نے صدق دل سے دعا کی، پھر اڑ  
 نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیک گاڑا اور ایک ٹکڑا چیلے  
 اسے کھایا۔

شیراز اور احمد کو گھر سے اور بہنوں سے  
 خاصی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی وہ ان کے پاس بیٹھے  
 تھے بس ضرورتاً بات کرتے، اس وقت بھی ان  
 دونوں میں سے پہانہ کوئی بھی نہیں تھا بس آہستہ  
 حریف اور وہ باپ بیٹی تھے۔  
 آئندہ کے ہونٹوں پہ خوبصورت تیرہ سال کا

تھی، اسے لگ رہا تھا اس کی برسوں کی دنیا میں  
 اور یہاں رنگ لے آئی ہیں جو انور صاحب  
 ان کی طرف منت آئے ہیں، باپ بیٹی کی محبت  
 دیکھ کر وہ بھال ہوئی جا رہی تھی، حریف نے بڑے  
 خود سے اس منظر کو دیکھا تھا، آئندہ انور صاحب  
 اور صاحبائیں کی بات یہ نہیں رہے تھے، کتنا  
 بھرپور اور دلکش منظر تھا، وہ منہ بہت خوش تھے،  
 سوائے حریف کے اور دوسری کسی بھی اپنے ہونٹوں  
 پہ نہیں لگتی تھی، سدا منظر میں ہونے کے باوجود  
 اسے محبت کی لگ رہا تھا، تب ہی تو زیادہ دیر اسے  
 وہاں بیٹھا ہی نہیں گیا، دیکھتے ہی الٹی پور بی توجہ  
 تب ہی طرف تھی۔

اس نے صبر کی نماز کے بعد دل کی  
 کلیں انہوں سے دعا کی، بہت دنوں سے فری کو  
 کوئی بھی خبر نہیں تھی، یہ ہی اچھوتے کسی نے  
 رابطہ کیا تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ فری آئی کو فون  
 کرے وہاں خبر سے وہ اتنی بھی نہیں تھی، جو کہ  
 اسے اپنی کچھ لپٹ کے بارے میں بتانا چاہتی  
 تھی، بہت سی باتیں یقین باتوں کا اسٹاک اس  
 کے پاس ہی ہو گیا تھا، وہ فری آئی سے اس نے  
 اور ماسٹر کر لیا تھا، وہ فری کی کاپی لے کر لے گئی تھی،  
 اس وقت وہ سکون سے بات کر رہی تھی۔

صبا کو انور صاحب نے بلایا تھا وہ اپنے  
 گھر میں تھے آج وہ تھیں تھیں تھے۔  
 "جی ادا آپ نے بلایا ہے کیا بات ہے؟"  
 نماز پڑھتے ساتھ ہی وہ دوزی چلی گئی۔  
 "اچھر میرے پاس آ کر بیٹھو" انہوں نے  
 بیڈ پر صبر کراہی کے لئے جھپٹائی۔  
 "جی ادا!" وہ ہنسنے لگی تھی۔  
 "جی ادا! کو چہ بدی ریاضی اور ان کے  
 ساتھ کچھ اور ٹوٹ آ رہے ہیں میں نے ان کو  
 رکھانے پر اب ذرا کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ کوئی  
 ہی نہ رہے، صبر انجام بہت اچھا ہوتا

چاہیے۔"  
 "ٹھیک ہے ادا ایسا ہی ہوگا، میں اور حریف  
 باہر نڈر لگے ساتھ مل کر ابھی سے تیری شہ رخ  
 کرتے ہیں۔"  
 "اوکے اوکے ساتھ خود بھی اچھے طریقے  
 سے ڈریس اپ ہونا آپ لوگ، چہ بدی ریاضی  
 بہت پسند کرتے ہیں، میں بھی چاہتا ہوں میری بیٹی  
 میں انہیں کوئی کی نظر آئے، بہت اچھے ہیں ریاضی  
 صاحب، جب اپنے ساتھ چھوڑے تب انہوں  
 نے میری مشکلات میں ساتھ دیا، شے انور دوبارہ  
 زندگی ملے تو تب بھی میں چہ بدی ریاضی کا  
 افسانہ نہیں اتار سکتا، انہوں نے میرے لئے وہ  
 کچھ کیا ہے جو کوئی اور کرنے کا سوچ بھی نہیں  
 سکتا، بڑھن کو خسار ہے سے نکالنے کے لئے  
 انہوں نے بہت بڑی رقم دی ہے مجھے جس پر  
 میرے دل سے ان کے لئے دعا میں لگی ہیں۔  
 وہ چہ بدی ریاضی کی تعریف میں بہت ہاتھ نہ  
 رہے تھے، صبر کو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہ سب  
 اسے بتا رہے ہیں۔  
 "ادا آپ کے ہمراہوں کو کوئی شکایت نہیں  
 ہوئی ہم سے۔" ان کی بات سن کر وہی تو اس نے  
 کہا وہ خوش ہو گئے۔  
 "مجھے خبر ہے، جی امید ہے آپ جلد موت  
 کی تیاری شروع کر دو۔" ساتھ ہی وہ انہوں سے فون  
 پر بات کرنے لگے، صبر حریف کے پاس آئی۔  
 "ابو کے گیسٹ آر رہے، پیپ رات کے  
 کھانے میں اس کے لئے یہ تیاری ہوئی ہے۔"  
 "گوں آ رہا ہے؟" وہ اپنے گھر پر نہیں  
 گھر رہی تھی، معروف سے انداز میں بولی۔  
 "وہی ابی دن جو چہ بدی ریاضی شریف  
 لائے تھے وہ اور ان کے ساتھ کوئی اور نوبت ہوں  
 گے۔" اس نے بتایا تو حریف کے ہاتھ دست سے ہ  
 گئے۔  
 "تم جاؤ میں یہ شہرت انتہائی کمزور کے آتی

ہوں۔  
 ٹھیک ہے میں کچن میں جا رہی ہوں تم  
 بھی آ جاؤ اور ساتھ بیڑے بھی کوئی اچھے سے  
 پہننے پر نہیں کر دو، ابو کہہ رہے تھے اچھے  
 طریقے سے ڈریس اپ ہو، آپ ٹوٹ۔ ایسے  
 خدشات کے سپرد کر کے صبا وہاں سے جا چکی  
 تھی۔

-----

اک دکھ اپنے ہارنے کا  
 اک دکھ پتھر نہ کرنے کا  
 اک دکھ اپنے جینے کا  
 اک دکھ اپنے مرنے کا  
 اک دکھ خانا رہنے کا  
 اک دکھ پورا بھر بنے کا  
 ان جانے سے رستے پر  
 اک دکھ یہ کہ دھرنے کا  
 خوشیاں اندر رو کر بھی  
 اک دکھ نہ دینے ڈرنے کا  
 دل سے اندر بچھڑنا ہے  
 اک دکھ آگ کے بھرنے کا

صبا حرم کی دور مائی نذر ا کے ساتھ بیڑے میں  
 تیار کر چکی تھی، کچن کا کام وہ خود ہی کرتی تھی آمد  
 نے شروع سے ہی بیڈوں کو کھانے پکانے کے فن  
 میں خالق کرنے کی کوشش چوری کر چکی تھی۔ مزید تو  
 خیر اب کرنے میں بند رہتی تھی، نہ ذکاوتی نہ کسی  
 سے لگتی فری شادی کے بعد سبرائ میں تھی اب  
 صبا ہی کچن سنبھالتی، مگر بچہ نشین بننے بعد اس کا  
 پڑھنے کو مزید دل نہیں چا رہا تھا سوا ب وہ کچھ یہ  
 ہی ہوتی، کالج کی تعلیم بھی اس نے جیسے تیسے مکمل  
 کی تھی، فری نے بھی ایسا اسے بادل خواست کیا تھا  
 ورنہ اس کے پاس میں ہوتا تو وہ میٹرک کے بعد  
 کالج میں داخلہ ہی نہیں لیتی، کیونکہ سکول اور کچر  
 بعد میں کالج میں بھی بڑیاں ان کا مذاق اڑاتیں  
 ہوتی، براسوں اور اسے خدائی سچے ہارے

زور سے خوفزدہ انداز میں کہنے بھی تامل تو یہ  
 نہیں تھے، فری تو سکول میں کئی بار مذاق کا نشانہ  
 بنی، ذہن کا کچھ نہیں بھی وہی عبور تھا اب بھی، تپہ چھوڑ  
 کے دور میں کوئی سوال پوچھتی تو وہ جلد با شروء ہوتی  
 دیتی، ساتھ پورا جسم بھی کاغذ، حالانکہ جو سوال یہ  
 چاہتا اس کا جواب اسے معلوم ہوتا مگر نہ جواب  
 میں تجرابت حادی نہ جاتی، وہ نہیں کاغذ کی  
 اور لڑکیوں کے لئے تفریح بھی کا اچھا خاصا سبب  
 بن گئی تھی، فری خاصی ذہین بھی مگر محبت اور اعتماد  
 سے غاری ماحول میں پھنسے ہوئے نہ ہوتے تھے اپنی  
 وفائت سے نا آشنا تھی۔

انور گیلانی نے تو میٹرک کے بعد بیچ میں تو  
 مزید تعلیم نہیں دلوائی تھی مگر ان کے جوتے بھلی  
 نے ان کے اس ارادے سے باخبر ہو کر کے  
 بعد میں کیا تھا کہ بیڈوں کو کالج لیاں تھیں تو صبر  
 حاصل کرنے دو، پڑے بیڈوں کی رحمت گیلانی کی  
 وفات دیکھ کر یہ بھی نہیں مانتے تھے کہ ان کی بیٹی  
 کے لئے ایسے ہیڑے کرانے سے کچھ فائدہ ہو سکے۔

سوائے حرم نے ان بیڈوں کے چاہنے نہ  
 خاص شوق نہیں تھا، اب صرف حرم نے ہی حیرت  
 بزدلی رکھی ہوئی تھی وہ مقامی کالج میں تھوڑا سا  
 استفادہ کر لیتی تھی، اس سال چھویں اور ان سب  
 بیڈوں میں سب سے زیادہ دھانس، اس نے اپنی  
 حساسیت کو بے نیازی کے پردے میں چھپا لیا  
 تھا، اندر کچھ بھی گزرتی اس کا چہرہ سیاق نہ بھر  
 آتا مہمان آجئے تھے، آئندہ پہلے سے ہی ڈرائنگ  
 روم میں بھی کیونکہ پڑ پڑی ریاضی کے ساتھ  
 عبور نہیں بھی تھی۔

حرم کو غور تو اس کی آمد کا سن کر تبس میں رہا  
 جسے دور کرنے کی خاطر وہ ڈرائنگ روم میں چلی  
 آئی، گہرے سانولے رنگ کے مردہ استے ایک  
 آنکھ نہیں بھاتے جو پر شوق بکاؤں بیت استے، چہرہ  
 پر تھے، وہ غور میں انور گیلانی سے کچھ پوچھ رہی  
 تھیں۔

”نہیں نہیں یہ وہی نہیں یہ میری سب سے  
 چھوٹی بیٹی ہے۔“ جانے کیا سوال کی میں تو جس  
 کے جواب میں، میں انہوں نے یہ وضاحت دی  
 تھی، اس کے تو کان کھڑے ہو گئے، میرا دل  
 پتروں میں ملیں رحمت انوش والی اس جودت  
 نے چہرہ پہنچا اس کے گالوں پہ چار کیا تو اسے  
 اچھن ہونے لگی، صبا مہمانوں کو کھانے کا بولنے  
 آئی تو سب ہی توجہ ادھر ہو گئی، حرم چہ بزدلی  
 نہایت کے بالکل سامنے اگلے صوفے پر بیٹھی  
 بیڈوں میں، صبا کو جس طرح وہ حرم کی اور لائی  
 بیڈوں سے دیکھ رہا تھا سب کی موجودگی کی پردہ  
 کیے بغیر، اس چہرہ کو اندر ہی اندر جھرا ہٹ ہوتا  
 شروع ہو گئی تھی، نہ جانے ان مہمانوں کے  
 ارادے کیا تھے مگر اب وہ انداز کوئی اور ہی کہانی سن  
 رہا تھا۔

وہ انھو آئی وہاں سے، صبا سے اپنے  
 خدشات کا اظہار کر کے وہ اس پریشان نہیں کرتا  
 تھا، یہی جیسا کہ وہ نہیں بے بنیاد تھی پاس کا وہم  
 کی بار دیکھ کر اس کی یہ وجہ اٹھائے پھر رہی  
 تھی، اسے جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے صبا  
 کون قربانی کا جالور ہے، جس کی قربانی دینے  
 سے بیشتر اس کی خوب خاطر تواضع اور خدمت کی  
 جاری ہے، کاش اس کے یہ خدشات حقیقت کا  
 روپ نہ دھارتے۔

رات کا ایک بج چکا تھا، پورے دن کی تھکی  
 پوری صبا کب کی سوچتی تھی مگر حرم کی آنکھوں سے  
 تھک کو سوں دور تھی، چہ بزدلی ریاضی اپنے ساتھ  
 مشائی اور پتلوں کے ٹوکرے ان سب کے  
 کپڑے بھی لایا تھا، جب وہ لوگ کھانے کے بعد  
 جانے گئے تو چہ بزدلی ریاضی کے ساتھ آئی  
 غور توں نے صبا کے ہاتھ پہ بہت سے ہرے  
 ہرے ٹوٹ دئے۔

یہ امتیازی سلوک حرم کی نگاہ سے پوشیدہ  
 نہیں تھا کیونکہ وہ بھی پاس گھڑی تھی، مہمانوں

کے جانے کے بعد انہوں نے کچن میں برتن  
 پر کچھ بر حرم نے نماز پڑی، صبا بیٹے ہی سوچتی  
 تھی، لیکن وہ کر دینا بدل رہی تھی، کھڑکی کے  
 شیشے سے آئی روکھی صبا کے چہرے پہ پڑ رہی تھی،  
 وہ ایک ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر غور سے  
 حرم اس کی بلطف رخ پر دیکھ رہی تھی،  
 جھوم اور چاندی لکھ رہی تھی اس کی ماں جانی،  
 اس نے دماغ میں کیز سے کی طرف بھرا تے تھے  
 خیالات سے کچھ چھڑایا اور سونے کی کوششیں  
 کرنے لگی۔

انور گیلانی کے بڑے بھائی رحمت گیلانی  
 اپنے بیٹے اور بیٹی کی شادی کر رہے تھے اس سلسلے  
 میں تیاریاں شروع کر چکیں، انور گیلانی نے ان  
 سب کو بھی تیار ہونے کا کہا تھا، شادی سے دو دن  
 پہلے صبا اور حرم تانیا کے گھر آئی تھیں، منور کو نہیں  
 چھی آئی جاتی نہیں تھی گھر پہ تھی، آئندہ بے ہار ت  
 وائے دن آتا تھا، ان مرتبہ انور گیلانی نے ان  
 دو لڑکیوں کو بھی بھر کر شادی کر دئی تھی، آئندہ  
 دووں کو خود ساتھ لے کر گئی، شادی میں پہننے  
 کے لئے وہ جو سونٹ لائی تھی بہت خوبصورت  
 تھے۔

حرم کا تو بالکل بھی آئے کو دل نہیں کر رہا تھا  
 کیونکہ وہ خیال والوں سے ملنا مانا اس کے لئے  
 کچھ ایسا خوشگوار تجربہ نہیں تھا، کیونکہ جب بھی کسی  
 موقع پر وہ چھایا تانیا کے پاس آئیں تو کزن کا  
 رویہ یہ ان کے ساتھ بہت عجیب ہوتا جیسے وہ نہیں  
 کسی اور سیارے سے آئی ہوں، اس صورت حال کو  
 دیکھتے ہوئے ان میں سے کسی نے بھی اپنی کزنز  
 کے ساتھ فری ہونے کی کوششیں نہیں کی، پہلی سے  
 لڑکوں کے ساتھ بے تکلف ہونے کی بات تھی  
 بعد از قیاس تھی کیونکہ انور گیلانی کچھ طبیعت کے  
 مالک تھے ساتھ کسی کزن نے دعا سلام کے بلاوہ  
 ان سے کوئی اور بات کرنے کی کوشش بھی نہیں

کی، اُسران کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی نہ آتی یہاں۔  
 داد جان کی وفات سے بعد ان کا دور حیدر  
 مست مرائیک تار ایک چٹان کی بیخوں اور پھر ان  
 کی اولاد وہ ایک صحر: دو گویا تھا، یہاں آکر حرم  
 کو اپنی عمر بختی کا شدت سے احساس ہوتا تھا،  
 کیونکہ وہ اس رخ حقیقت سے اپنی طرح آگاہ  
 تھی کہ سب نر نران بہنوں کا مذاق اڑاتے ہیں  
 نکلیں انہیں دیتے ہیں، انہیں تو گویا تفریق کا سوچ  
 ہاتھ آجاتا تھا، اس دور میں اتنی ڈری تھی اور  
 پھرتی لڑکیاں بھاگتاں تھیں، اپنے ساتھ تک سے  
 ڈر جانے والی، تھیں وہ یہ جب تیار رحمت نے  
 اپنے بیٹے عدنان سے فری کے لئے رائے لینی  
 چاہی تو اس نے انہیں کو ہاتھ لگائے۔

”شہ بابا نہ آپ چچا جان کی محبت میں مجھے  
 قربانی کا ہر امت دے دیں، رخصت نہ ہو سکی  
 روت سے مجھے شادی کرنے کا مجلس شوق نہیں  
 ہے، بندے میں غم از مراد تو ہوتا جا ہے، چچا  
 جان نے نہ جانے کس طرح اپنی اولاد کی پرورش  
 کی ہے مجھے تو حیرت دہی ہے۔“ اس نے صاف  
 الفاظ میں انکار کیا تھا۔

”چچا بھی تھ رہے تھے گیانی کو اسے بھائی کی  
 چاروں بنیاں ہی اتنی تھیں، فری انہیں بہت  
 پسند تھی مگر عدنان نے صاف انکار کر دیا تھا، پھر  
 فری کی بھی شادی ہوئی اب صاف انکار کر دیا تھا، انہوں  
 نے چھوٹے بیٹے عامر سے ذکر کیا صاف کے بارے  
 میں اپنی پسندیدگی کا بتایا ساتھ ہی اپنی خواہش کا  
 بھی اظہار کر دیا، وہ جبکہ ہی تو حرم اور صاف ناں  
 کر دی، وہ پہلے ہی اپنی کلاس فیلو میں اتر سکتا تھا،  
 نہ بھی ہوتا تو انور چچا کی کوئی بھی بیٹی اسے اس نظر  
 سے پسند نہیں تھی، اس کی خواہش یہ اس کا بڑا شہ  
 رانیہ سے ملے ہوا اور اب شادی ہو رہی تھی،  
 عدنان سے چھوٹے فاروق گیلانی تھے ان کا ایک  
 بیٹا اور ایک بیٹی تھی جن کی اپنی اپنی دلچسپیاں  
 تھیں۔

رحمت گیلانی نے جب بیوی سے اس  
 خواہش کا اظہار کیا کہ میں انور کی چھوٹی بیٹی  
 میں سے کسی ایک کو پسند کرنا چاہتی ہوں تو اس نے  
 انہی قابلیت کی تھی، اپنے دور کی سخت طبیعت  
 اس کے پتے تھے، پھر اس نے اولاد کو جو چاہے  
 رکھی تھی وہ کسی سے بھی ڈرتی تھیں، عدنان  
 اور عامر دونوں تعلیم یافتہ اور جدید دور کے نوجوان  
 تھے، پابندیوں اور جرأت و قلم میں پتہ چلتی تھی  
 تعلیم یافتہ لڑکی سے وہ شادی کا تصور بھی نہیں کر  
 سکتے تھے چاہے وہ انور کی بیٹی کی بیوی نہ  
 ہوتی۔

رحمت اور فاروق دونوں بھائی انور سے  
 اعلیٰ طبیعت کے تھے، اپنی اولادوں کو تعلیم کے  
 ساتھ محبت و اعتبار بھی رکھتا تھا، جوان کی شخصیت  
 میں نمایاں طور پر نکھر آتا اور اپنی چیز بھی نہ انور  
 گیلانی نے اپنی اولاد کو محروم رکھا تھا اور اب فری  
 تو صاف ظاہر تھی۔

دور سے اپنے رشتہ داروں کے پاس کسی تقریب  
 میں شرکت کرتے ہوئے وہ چھوڑا اور سر بری یا  
 جوش نہیں دکھاتی تھی، پر اب تو ان کی چند روزہ  
 محبت کا اعجاز اور اعتبار تھا جس نے اسے حد درجہ  
 پر اعتماد بنا ڈالا تھا، سخن اور عدنان کی پابندی کی  
 قریب مشترکہ تھی اس نے بڑی خوشی مہندی  
 کی سجاوٹ میں حصہ لیا، خرم یہ ہمیشہ کی طرح نہ  
 درجہ تنجید کی طاری تھی، اپنا دور و حیدر اسے ایک آنکھ  
 نہیں بھٹاتا تھا، اب وہ کسی بڑے فیج سے شرکت  
 اس کے دل میں طے رہی تھی، خد و رجہ من فقت کی  
 کہ ان بہن بھائیوں کو انہوں نے تھیں تھیں  
 جانے ہی نہیں دیا اور وہ حیدر کی طرف ایسی کوئی  
 پابندی نہیں لگائی، حرم میں بغاوت کے جرائم  
 مل رہے تھے، اپنے چچا تار اور ان کی اولادوں  
 میں سے کسی کے ساتھ بھی اسے کوئی تھیں

تھانہ ہی تھی نر نرانی فطری محبت کا مظاہرہ نہ  
 نے کیا، شاید اس کی وجہ ان بہنوں کا مذاق اڑایا جاتا  
 ہوا، انہیں چھوٹے تھیں ہنگ سب کے سامنے متحرک  
 نکل نہ پاتا جاتا اور یہ آسانی سے بھولنے والی بات  
 نہیں تھی۔

مہندی کے تمام فنکاروں کے دور ان وہ لیے  
 اپنے انداز میں سب سے پیچھے تھی رسی اور سب  
 ہمیشہ کی طرح اپنی نرم طبیعت سے مجبور ہو کر تانی  
 الی کو اپنی خدمات ہی پیش کر رہی تھی۔

عدنان کی دلہن رخصت ہو کر آ چکی تھی،  
 رہیں ہو رہی تھیں، رات کا لنگھن تھا سب تھک  
 گئے تھے، رات کی بات اتنی تھی اور ادھر ابھی  
 تک ہنگامہ چلا ہوا تھا، حرم کے سر میں درد ہو رہا  
 تھا، تھکن سے اس کا معاملہ تھا، دل چاہے بیٹے کو  
 کر دیتا تھا، سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے،  
 دو بہن حرم میں صاف کے بعد ایک بے فکری کی

طاری تھی حرم کے کپڑوں پہ  
 بالائی کمرے سے شور مچا رہی تھیں اور تھیں  
 کی کی آواز سن کر عدنان اور اس کی  
 دو بہن رانیہ شرارتوں کوئے کے حیرے میں تھیں،  
 حرم اپنے بیٹے چاہتے تھے کہ ان میں آئی، کوئی  
 بچوں کو نہیں دے دے، اس کے تپ کا گھر تھا دور  
 یہاں سب اس وقت ہنگامے میں کھڑے ہوئے  
 تھے۔

اس نے چلہا جلا کر چائے کا پانی رکھا اور  
 تھی چینی ڈھونڈنی شروع کی، اس دوران پانی  
 کھول کر شروع ہو گیا، آخر تھی چینی مل ہی گئی، وہ  
 فری سے دوبارہ نکال رہی تھی، جب کوئی بہن میں  
 داخل ہوئی۔

”واؤ چائے بن رہی ہے اس وقت شدید  
 طلب ہو رہی ہے ایک کپ مجھے بھی دے دیتا۔“  
 آہٹ پہ وہ کھوئی تو سامنے ابھی صورت تھی، اس  
 کے تاثرات خود بہ خود ہی درشت سے ہو گئے۔  
 ”میں یہ چائے اپنے سے بنا رہی ہوں کسی

اور کے لئے نہیں۔“ اس نے نوادہ کی طرف  
 دیکھے بغیر چائے میں دو دو ڈال دیا۔  
 ”اگر مجھے بھی تھوڑی سی مل جائے تو بہ پانی  
 ہوئی۔“ دو ٹاپا دے واقف نہیں تھا۔

میں کسی کی کو کر تھیں ہوں خود بنا دو۔“ اس  
 کا لہجہ بہت سخت تھا، وہ اپنی اس عزت افزائی پہ  
 حیران رہا ہوا، اختلافات سے پانچویں پہ ٹکرائی جاتے  
 کون تھی ابھی تو وہ نہیں غلطی کی دور نہ تھیں  
 کمرے ہو کر رہتے تھے، اس سے یہ سب نہ پتہ  
 رہی ہوتی تو رانیہ بھی نہیں لگتی تھی کیونکہ وہ جہاں  
 کام کرنے والی دونوں نوکرائیوں کو جانتا تھا اور  
 صورت آشنا بھی تھا۔

”آپ ہیں کون؟“ اندر سے اسے خبر آئی  
 قاتب ہی کو وہ جانتا چارہ تھا یہ بد اخلاق سی تھی  
 دن ہے۔

”کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“  
 چائے کپ میں اندر مل رہی تھی، اس وقت یہاں  
 کوئی چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔  
 میں اس صحت سے آپ کا رشتہ جانتا چاہ رہا  
 ہوں۔“ سلیمان کا دل گر رہا تھا چائے کا کپ ختم  
 لے، ایک کپ سے زائد چائے کی کمران سے  
 دوسرے کپ میں ڈال کر اسے نہیں دی۔

”میں اجنبیوں سے اس طرح کی بات نہ  
 قبول کی تصور کرتی ہوں۔“ وہ چائے لے کر بیچن  
 سے باہر آئی، تب سلیمان کو اس بد دماغی کی لڑکی  
 پہ بہت غصہ آیا، وہ ہال میں چلا آیا اور غصہ پورا  
 اسے ادھر ہی مل گیا، وہ جھٹ پٹ اس کے لئے  
 چائے بنا کر لے آئی۔

چائے کی کریم بھی ادھر ہی تھی جہاں  
 دولہا دو بہن کی تصویریں بنتی رہی تھیں صاف نہ  
 اشتیاق سے قریب ہو کر سب دیکھ رہی تھی ورجہ  
 قدر سے ہٹ کر سب کا روانہ دیکھ رہی تھی۔

سلیمان رہائے ایک صوفے پہ بیٹھا تھا،  
 اشتیاق سے نکل و اس کی نظروں کی۔ ذلت سے آتی



تھی جیسے کسی جہیز کے تحت اس نے من کی  
 نزل سے گاڑی پکڑی۔ میں ہوں حرم کے  
 بارے میں پوچھ لیا۔

میں میرے بچا، نور گیلانی کی سب سے  
 چھوٹی بیٹی ہے۔ "جائے وہ کیا بھی کہ جھٹ  
 سمجھتا ہے ذکر کر دیا، یہ ذرا لکھی فاروق گیلانی کی  
 بھولی تھی۔

راج ہوئے تک سب لڑکیوں میں یہ خبر  
 گردش کر رہی تھی کہ من کے ماموں شہر پار  
 شیرازی کے بیوت سلیمان شیرازی کریم کے عہد  
 میں جلا ہو گئے ہیں اور سلیمان کو علم ہوا کہ اس کا  
 چھوٹا سا سوال یہ تیرہ ست ڈھانے کا تو وہ بھی بھی  
 یہ حقیقت نہ کہتا، ذرا اور من سونے تک اس بات  
 کو تسلیم نہ کرتی تھی۔

من پارانہ بھی مٹی تھی، لڑکیاں آرام سے  
 تیار ہو رہی تھیں۔

حرم نے آٹھ بیرون گھر کا سوٹ پہنا تھا،  
 لالچ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار یا شاپہ خوب  
 سوٹ کر رہا تھا وہ اور جیادوں اچھے ٹیکسی بھی  
 جب وہ چارٹی کی ٹرکی کیوٹ سے بچے کو گود میں  
 اٹھائے ان کے سامنے بیٹھتی۔

"میرا علم رہتا ہے آپ کون ہیں دونوں،  
 میں نہیں دیکھا مٹی آپ کو؟" اس کا حق طلب حرم  
 تھی۔

"رحمت گیلانی تیا ہیں میرے، میں ان  
 کے چھوٹے بھائی کی بیٹی ہوں اور یہ میری بہن  
 ہے۔" بادل خواستہ اس نے تعارف کر دیا۔  
 "اودھیا اچھا آپ انور انکل کی بیٹی ہیں  
 اور میں سعید انکل کی بہن ہوں، سلیمان دیور ہے  
 میرا۔" پتہ نہیں یہ سعید انکل کون تھے اور یہ سلیمان  
 کون تھا جو ان کا دیور تھا اور یہ حرم مر جانے کس  
 کے دھوکے میں ان دونوں کے پاس آ کے تعارف  
 کروا رہی تھیں۔

جیسا اس کیوٹ سے بچے کے ساتھ لڑا کر  
 رہی تھی، کریم آنے جانے والوں کی طرف  
 لگی، اسے میں رحمت کا بلاوا لگیا تو وہ اندر چلا  
 گئی، من کی رحمتی کے بعد وہ من کے وقت سے  
 عدنان کا دلیر تھا، روٹی دھوئی من رحمت گیلانی  
 کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔ وہ ہشتکل تمام  
 آنسوؤں کو ضبط کر رہے تھے۔

حرم کو فری آنی کی رحمتی کا مستر پارا  
 وہ من سے زیادہ درد اور ہلک رہی تھی، آخر میں ابو  
 نے بس رہا اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا، اپنے  
 فرس کی ادائیگی کی خوشی اور من سے جدا ہونے کا  
 کرب و حوڑ سے بھی ان کے چہرے پر نہیں  
 تھا۔

رحمت گیلانی، عدنان اور حار نے پیارا  
 دے کر بہن کو گاڑی میں بٹھایا، آخری وقت پھر  
 ان تینوں نے من کو پیار کیا تو یہ نظر سے کہتے تھے  
 طرح حرم کے دل میں چھایا۔

من دعاؤں کے ساتھ جس رحمت سے من  
 رحمت تیا بھی کی جدائی سے بے حال ہو رہے تھے۔  
 سلیمان انہیں اندر لے گیا۔

اب حرم جلد از جلد میاں سے جاتا چادر  
 تھی، پیار بھرنے اس ماحول میں رو رہ کر اپنی  
 عمر میوں کا احساس جاگ گیا تھا، وہ بزم پر بات  
 میں اپنا اور ان سب کا موازنہ کرنے لگ گئی تھی،  
 جیسا بھی خاموشی کی تھی، شاید وہ بھی اسی کی طرح  
 سوچ رہی تھی۔

"میرا گھر جائے گودل کر رہا ہے۔" رو باشی  
 جو کر اس نے جیسے کہہ ہی دیا۔  
 "میرا بھی۔" وہ جھٹ بولی۔  
 "تو پھر چلتے ہیں۔"

"عدنان بھائی کا دلیر ہو جائے تو چلیں  
 گے ناں۔" جیسے اسے جیسے کچھ یاد دلا رہا تھا۔  
 "مجھے تو ان سب لڑکیوں کی معنی خیز نظروں  
 اور دلی دلی مٹی سے انھیں ہونے کی ہے۔"

"نظر انداز کر دو سب تو۔"  
 حرم کیوں کر وہ نظر انداز دیکھتے ہی اشارے سے  
 کرتے تھے۔ "دو دو باشی کی ہو گئی تو جیسے  
 اسے بہایا۔"

سینما کی بھائی رحمت سے اس کی بھی  
 غلطی ہو گئی تھی، یہ رحمت تیا کے سالے کی  
 بہن تھی، اس کا پر خلوص رہ رہنا بہت اچھا تھا،  
 اس کی باتوں اور انداز سے کسی طرح بھی یہ محسوس  
 نہیں ہو رہا تھا کہ وہ انہیں مستر تصور کرتی ہے، وہ  
 بہت دھمکی سے گھر والوں کے بارے میں سوال  
 کرتی رہی، خاص طور پر کریم کے بارے میں  
 اسے بہت دھمکی تھی کہ یہ مر رہے کر اس کی پسند و نا  
 پسند کے بارے میں پوچھتی رہتی۔

رحمت نے ان بہنوں کے سینے میں دیکھا تھا،  
 پھر سے وہ لڑکی کی چٹا اور تیا کے گھر آئی، پھر رحمت  
 کو سعید انکل کے خانہ ان کا حصہ بنے زیادہ عرصہ  
 لگ گیا تھا، وہ شاید ملاقات ہو ہی جاتی۔  
 جیسا کہ وہ بہت اچھی لڑکی تھی، من کے ماموں  
 کو وہ اس نے دیکھا ہوا تھا لیکن ان کی بہن  
 ملاقات میں جیسا اس پر خوشگوار تاثر چھوڑنے میں  
 کامیاب رہی تھی۔

آج من کا دلیر تھا، حرم کا ارادہ تو ویسے  
 سے فارغ ہو کر گھر جانے کا تھا مگر تائی اماں اور  
 لالہ نے کہا تھا کہ ویسے کے بعد آج اور بھی رہو گی  
 ان گھر جانا، بادل خواستہ وہ یاد ہو گئی تھی۔  
 عالیہ بیگم یعنی تائی اماں نے بات اور  
 بچے کے لئے ان دونوں بہنوں کے لئے سوٹ  
 لٹا کر کرائے تھے، رات کا نقش کش تھا مگر لڑکیوں  
 کا تیار ہونا سر شاہی سے شروع تھی۔

انور گیلانی اور آمنہ اپنے گھر ہی سے  
 ہنرے من سے سیراں پہنچے تھے، لڑکیاں  
 انور میں بیٹھ رہی تھیں، جیادوں کی بچہ کی

گاڑی میں بیٹھتی تھی، حرم بھی اس کے ساتھ  
 اپنی گھراب سی اور فرد کے بیٹھے تھی، انہیں نہیں  
 تھی، وہ جیادوں کی بھول سے اجڑا ہوا سر دیکھتی تھی  
 کوٹ کا شکار بھی کہ رحمت نے آواز دیے کر اپنی  
 گاڑی میں آنے کو کہا، مرنے کی نہ کرتی چھوٹے  
 چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف آ گئی۔  
 ذرا ٹیگ سیٹ پہ سیمان تھا اور اس کے ساتھ  
 بھائی اور من کی نزل ذرا لکھی، حرم کو پتہ نہ ہوا،  
 فاروق بچا جیادوں کے گھر جا چکے تھے ورنہ وہ اسے  
 بھی ساتھ لے جاتا، کیونکہ ان لوگوں سے اسے  
 ابھرن ہوئی تھی، ذرا تو خیر اس کی زبان بھی گھر  
 باقی دو افراد تو انہیں ہی تھے ناں، روٹی ذرا اتنا  
 نزل کے ساتھ اسے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، پھر  
 ذرا حادثات سے مجبور ان سب بہنوں کا مذاق  
 اڑاتی آئی تھی اس وجہ سے بھی وہ زیادہ فری نہیں  
 ہو پاتی تھی۔

اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، وہ بیک باور  
 بھول کر بیٹھے ہی گئی تھی کہ ذرا اسے ٹوک دیا۔  
 "اودھیا میں آگے بیٹھو، وہاں ہے جاگہ  
 تمہاری۔" وہاں ہے جگہ تمہاری یہ اس نے جیادوں  
 زور دے کر کہا تو غفلت کے احساس سے اس کے  
 رخسار سنکھٹے اسے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی  
 سیمان کی ماما تو میری بھی ان کے ساتھ جانے کے  
 ارادے سے بیٹھنے کی طرف چلی آئیں، اب  
 ضرورت حال یہ تھی کہ ایک طرف تو میری آئی تھی  
 اور ایک طرف حرم، رحمت نے اس کے لئے فوراً  
 اپنی طرف کا دروازہ کھولا دیا۔

"حرم آپ آگے بیٹھ جاؤ۔" یہ رحمت تھی جو  
 اس کے سرخ ہوتے چہرے سے جانے کیا بھی  
 تھی، ذرا اسے سامنے حرم تیار نہ بننے کے خیال  
 سے وہ غرٹ سیٹ پہ بیٹھ ہی گئی۔  
 "آئی یہ رحمت انکل کی بیٹی حرم ہیں انور  
 انکل کی سب سے چھوٹی بیٹی۔" لکے ہاتھوں رحمت  
 نے بتایا، تو میری نے اسے پہلے صرف ایک بار اسے

دیکھا تھا اب یہ نے تعارف کرایا تو انہوں نے  
خصوصی پہنچی لی۔

سیما ان کے چلتے ہی ہلکے ہلکے کوفی  
اکارہ کو حرکت میں لے آیا، دھڑک دھڑک کر سانس  
کے پاس ہو گئی اور دیکھی آواز میں ہلکا پھلکا کرنے  
لگی۔

حریم روپہ نشی سے اسے تڑپ لپٹے اور  
دروازے کے ساتھ قہر پیا لکھ کر بیٹھی تھی، اسے ر  
بھی لگ رہا تھا، وہ دغا کر رہی تھی کہ ایسا ایک  
اجبی تڑکنے کے ساتھ فرحت سیٹ سے اترتا نہ  
دیکھتے ہی یونہی وہ ان کی شکل ٹھیک سے اچھنی طور  
واقف کی، ذرا خوب چبک رہی تھی۔

"سیما ان بولی آج تو آپ بہت خوش  
میں ہے۔"

"وہ یوں؟" سیما ان کی توجہ سانسے دوزخی  
طرف تھی، پاس سے ٹک کر بار بار جواب میں ڈار  
نے جو کہا حریم وہ نہ سکتی، وہ چاروں آپس میں  
بہن بدل رہے تھے، اسے جب کہ کوئی پہچان کرنا تھا  
کہ یہ من کے، مہلوں کی جیسی ہے، خدا خدا کر کے  
سفر تمام ہوا، گاڑی رکی تو حریم سب سے پہلے  
اتری، ٹیسیہ بیگم برسوزنگ لگا ہوں سے اسے بھی  
دیکھتی تھیں جو صبا کو گواہوں دے رہی تھی۔

فلکشن بہت لپٹ شروع ہوا اور کھٹکھٹا کھٹا  
کھانٹے دو تونج ہی تھے، وہ اپنی بھی انور گیلانی صبا  
کو ساتھ لے گئے اور حریم کو کہا کہ تم پرسوں آ جانا،  
شادیوں میں کاموں کے سوا کچھ نہ ہوتے ہیں  
اسی وجہ سے انہوں نے اسے نہ کئے کو کہا۔

اب حریم پریشان سی تھی، صبا کے ساتھ وہ  
خود کو بہت مضبوط سمجھ رہی تھی، ابھر سب خوش  
ہوں میں گئے ہوئے تھے کسی کو کوئی احساس ہی  
نہیں تھا، اس کا دل کر رہا تھا، دھڑکیں مار مار کر  
دوڑنے لگی تھیں پھر رعنا اس کے پاس آئی۔

"حریم تم بہت تیار سے ساتھ ہی جانا، کیونکہ سب

بھائی کہہ رہے ہیں جو میں گاڑی میں آتا ہے ہی  
میں ابھی جائے گا، تم چل کر بیٹھو میں بھی آپس  
ہوں۔" رعنا کے انداز میں اپنا تھک جھری ہے کھینچ  
لگی، وہ پارکنگ ایریا کی طرف آئی تو اسے  
گاڑیاں غائب تھیں، وہ دیکھ اکاڑا سانسے پاس آئی  
اور ٹیک باؤر کھول کر بیٹھ گئی، چلتے ہی اسے  
ڈرائیونگ سیٹ پر براہمن من کا بدن نظر آیا،  
اس کا خیال تھا کہ گاڑی میں کوئی نہیں ہوگا، وہ  
سیٹ پیچھے کی طرف کیے آکھینچ موندے پر اتھا  
مہ از مہ از نشین، یہی بتا رہی تھی۔

"اما اور رہنا بھائی کو بھی بلا کر لے  
آئیں۔" وہ دریں دو تیر بیٹھ گیا ساتھ ہی آواز  
جاری کیا۔

"آپ کی تو نہیں ہیں خدا بار۔"

"آپ کے قریب کے خائف ان شاندار جواب  
وہ دیکھی نہ دے پایا، اسے پہلے کہ وہ بیٹھ گیا تھا  
بہن اور بھائی بھائی کے ساتھ وہ قیام لگاتار  
تھیں، اسے دیکھتے ہی کیا تھی، صبا کے پاس  
کیا آواز نہ ہونے ہو رہے تھے جناب۔

کا قیام سولیمہ سلیمان بی بی تھا مگر حریم کے تو  
تکڑوں میں آگے کی اور سر پہ تھی۔

سلیمان کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا ڈار انے  
بہن کی بات کی تھی، ڈار ان کی بات پر حیرت  
بھی چلتی تھی تو وہ الجھ سا گیا، اتنے میں ٹیسیہ بیگم  
حریم کی طرف متوجہ ہو گئیں اور اسے چھوٹے  
چھوٹے سوال کرنے لگی۔

وہ پوری طرح اس میں دلچسپی لے رہی تھی،  
رعنا بھی درمیان میں بولی رہی تھی، ابھر حریم دل  
میں جھجک رہی تھی کہ کل بر حال میں کھڑ جا سکتی  
تایا کہ رشتہ داروں کا منسل ہو کر رویہ اور لڑائی دہانی  
اسے غصہ نہیں ہو رہی تھی پتہ نہیں کہیں دلچسپی لے  
رہی تھیں یہ خواتین؟

.....  
کیا اندھروں کے دیکھ کر ان اجالوں کے دیکھ

جب برا بھلا کی مقدار کی چالوں کے دیکھ  
بہن کی آنکھیں نہیں وہ نہ بد میں کبھی  
جان جائیں اگر آنگو والوں کے دیکھ  
پیری منزل کہاں ہم سفر ہے کدھر  
ہار ڈالیں گے اب ان سوالوں کے دیکھ  
پیری بوجھوں کے چلتے ہوئے دشت سے  
پھینک لے آ کے اپنے خیالوں کے دیکھ  
چند ہر کی رہاں آج پھر تشریف لایا تھا انور  
گیلانی نے بالآخر حوصلہ اقرار، جواب دے ہی دیا  
تھا جس سے اس کی باجھیں کھلی جا رہی تھیں وہ تو مایوس  
ہونے سے قریب تھا اب انور گیلانی نے اسے  
خوشخبری سنائی۔

چند ہر کی رہاں نے ابتدا سے ہی بھانپ لیا  
تھا کہ انور گیلانی بھرے کار بڑے میں سے اور  
بکروار میں ہے وہ اپنے ہونے والے انتظامات  
نے اسے تقریباً آدھ سوا کر چھوڑا ہے ایسے میں اگر  
اسے کوئی بڑی آفر کی جانی تو اس کے حالات  
بہت بہتر ہو سکتے تھے، انہیں کے اندیشہ وہ ان کی  
ان مہربانوں اور لڑائیوں کا منہ مانگا حملہ تھا  
تھا، ایک پارلی میں چند ہی رہاں کی انور گیلانی  
سے ملاقات ہوئی تھی۔

چند ہر کی رہاں میں یہ عمل آہار کا رہنے والا تھا،  
چند ہی پہلی رہاں تھا، کافی عرصہ دوشی میں بھی رہا  
ابھی تک شادی نہیں کی تھی، کاروبار کا اسے کوئی  
خاص تجربہ نہیں تھا مگر انور گیلانی کے لئے وہ  
نرمایہ فراہم کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اس  
بہرہاں نے ان کا دل جیت لیا، مستقبل قریب میں  
چند ہر کی رہاں سے اور بھی بھاری فوائد حاصل  
کئے جاسکتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بے لفاظی میں  
جب چند ہر کی رہاں نے شادی کی خواہش کا  
اظہار کیا تو ان کے ذہن میں منہ اور حریم کا نام  
آیا، صبا غصہ سے غار بن چکی تھی اور حریم کی  
لٹال چڑھ رہی تھی۔

انور گیلانی نے انکساری کی اپنا کر دی۔

"چند ہر کی صاحب آپ انور پیری رہاں سے  
شادی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو میں اسے  
اپنی خوش کستی سمجھوں گا۔" انہوں نے پناہ ہے وہ  
آنکھیں اٹھا چند ہر کی نے بیٹھ ان کی بی بی کو  
دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا، بیس دو دن کے سفر  
تک پہنچا۔

کس تر و تار و زمانے کی چالانیوں سے ما  
آٹھ صبا کی نظر میں ہی چند ہر کی رہاں کو پسند آ  
گئی، وہ شادیت خوش پہ شادی کرنا چاہتا تھا، اور  
انور گیلانی اس کے احسانات سے دے دے پڑے  
تھے خوش ہو گئے، لی انہیں انہوں نے گھر میں اس  
بہت کا ذکر نہیں کیا تھا، بالآخر بالآخر وہ سارے  
محامات طے کرنا چاہتے تھے، ویسے بھی لڑکی  
کسی میں اتنی ہمت کی جو ان کے آگے اٹھ  
سکتے۔

چند ہر کی رہاں پہلی بار گیلانی آیا تھا، دوسری  
بار اس کے ساتھ دو عورتیں بھی جہیز میں اس نے اپنی  
خاندان اور پھوپھی کے ساتھ تعارف کرایا تھا بقیہ اس  
کے گزرتا اس کے خاندان میں اور کوئی نہیں ہے  
بہن کی دو رشتہ دار خواتین ہیں، تب انور گیلانی  
نے دونوں بیٹیوں کو چند ہر کی رہاں کے بارے  
میں بتایا، دونوں بھانپوں کو، جنہوں نے باور  
تھا کہ اس شادی سے انہیں بہت فائدہ ہوگا، انہیں  
کیا اعتراض ہو سکتا تھا، ویسے بھی وہ شروع سے  
بپ کے زیادہ قریب تھے اور ان معاملات سے  
دونوں کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی گھر میں بہنوں کے  
وجود کا ہونا نہ ہوتا ان کے لئے براہ تھا، دوسرے  
انتظام میں بے کسی کی انسانی صفت ان میں موجود  
تھی کیونکہ چند ہر کی رہاں کے باہر میں کسی  
نے بھی چھان بین کی ضرورت نہیں تھی، شہر بڑا  
بہت خوش تھا چند ہر کی رہاں نے ایک نئی فیکٹری  
میلڈ ہی لگنے کا وعدہ کیا تھا جس میں شہر بڑا بھی  
پارٹنر ہوتا، چنانچہ ان ساری باتوں کو مد نظر رکھتے  
ہوئے چند ہر کی رہاں کو ہاں کہہوا دی تھی، جس پر

اسی سے رہی عورت پہ تیری کی مہلت یا تھی اور صبا کو  
بھی آج ہی رہتے چلا تھی، حریف تو کم نہ تھی ان تینوں  
ہاں بیویوں کی کیفیت کسی طرح بھی ایک دوسرے  
سے مختلف نہیں تھی۔

چالیس سال سے زائد چوہدری ریاض عمر  
میں سے دسے سے بھی زیادہ تھا، سناٹا لپکا رنگ  
چہرے پہ سخت اور بے تاثرات اس لئے مضبوط ذہل  
ذول کا مالک چوہدری ریاض کسی طرح بھی صبا  
کے جوڑ کا نہیں تھا۔

آمنہ کو خوش بھی سی تھی کہ انور صاحب ابن  
کے مجازی خدا سے بدلے سے بدل گئے ہیں اور جب وہ  
سمجھائے گی تو سمجھ جائیں گے اور صبا کے رشتے  
سے انکار کر دیں گے، کیونکہ اس رشتے سے انکار  
کی ان کے پاس بہت مضبوط وجوہات تھیں، لہذا  
اسی بات کو بنیاد بنا کر جب اس نے شوہر سے  
بات کی تو ان کا پارا پالی ہو گیا مگر جلد ہی انہوں  
نے اندرونی حالت پہ قابو پانیا اور بظاہر ہرگز سے  
کو یا ہوئے۔

پہلی نے چوہدری ریاض کو زبان دے دی  
ہے اور مرد کی زبان ایک ہوئی ہے، عمر ہی زیادہ  
ہے ہاں اور کوئی خرابی نہیں ہے، صبا بہت آرام  
سے رہے گی وہاں، چوہدری ریاض بہت تھی اور  
کھلے دل کا ہے میرا کاروبار ملل تاد ہو چکا تھا وہ  
اگر آگے بڑھے کر میری بددینہ کرے تو آج ہم فٹ  
پانچ سو تیسے ہوتے، یہ تو بڑا الکی ہے۔ چوہدری  
ریاض کی کہ اس نے اپنے منہ سے شادی کی  
خواتین کا اظہار کیا ورنہ اس سے جس کو کر کیوں کی  
کہا جی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری جی بہت  
خوش قسمت ہے جو چوہدری ریاض نے اسے پسند  
کر لیا۔ آئندہ دکھ اور صدمے کے غم سے بچے  
تاثرات سے اپنے مجازی خدا کو دیکھ رہی تھی،  
اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ صبا خوش قسمت ہے کہ  
بد قسمت یہ تو اسے پتہ تھا کہ وہ احتجاج نہیں کر  
سکتی، کرنی تو پکار تھا یہ خدا انور کیلانی کے آگے

شادی تو ہوئی نہیں تھی۔

چوہدری ریاض کی طرف سے وہی دو  
عورتیں اور دوسرا آگے صبا کو لٹو لٹو کر بٹھائے تھے،  
صبا کی طرف سے چچا تایا کی لمبی اور چمچ اور قرعہ  
رشتہ دار شریک ہوئے، رحمت کیلانی اور قادر  
کیلانی کو بھائی نے دونوں پہلے صبا کے رشتے کے  
طے ہونے کا بتایا تھا آج انہوں نے نرسے لیا ہوا  
چوہدری ریاض کو دیکھا تھا اور دل میں سخت ہنس رہی  
تھی تھا، انہیں دلی طور پہ اپنے اس چچے سے بچا  
کی بیٹیاں پسند تھیں، فری انہیں بہت اچھی لگی تھی  
مگر ناسرا اور ندیان، دونوں نہیں مانتے تھے، آج صبا  
کے ہونے والے شوہر کو دیکھ کر انہیں انور کیلانی پہ  
بے تحاشہ غصہ آیا، غالباً انہوں نے اشارے سے  
انہیں خاموش رہنے کو کہا، انور کیلانی کی طبیعت  
طبیعت سے سب ان وقت تھے، رحمت کیلانی  
انہیں کچھ کہنا چاہتے تھے مگر عالیہ الہی کی شریک  
حیات نے روک دیا وہاں سے ہوتے یہ کسی قسم کی  
بے عزتی بھی نہ تھی۔

چوہدری ریاض کی طرف سے صبا کے لئے  
میں تو نے ہونے کے بھاری سیٹ اور قیمتی ہوت  
آئے تھے، دیگر عورتوں کی طرح آئندہ خوش نہیں  
تھی نہ جانے کیوں اس کا دل کب رہا تھا کہ صبا کو  
قربان گاہ کی طرف لے جایا جا رہا ہے، شرم  
بانائے تم وہ لب بھی نہیں کھول سکتی تھی۔

صبا کو روٹ پڑنے لگی ہوئی تھی، پاس ہی  
فری اور حریم تھیں، آج کافی عرصے بعد فری  
رہنے کے ارادے سے آئی تھی، اب صبا کی شادی  
میں کچھ ہی دن باقی تھے، چوہدری ریاض نے  
جینز کے نام پہ تھکا بھی لیٹنے سے منع کر دیا تھا، ہاں  
صبا کی پسند کی چیزوں کی مشائش کے لئے اس  
نے انور صاحب کو بھاری رقم کا چیک دیا تھا۔

جب سے ہوئی تھی، صبا چپ چاپ

ورہنے لگی تھی، اس حالت کو دیکھ کر حریم کے اندر  
بایا غیاثہ جذبات اور بھی شدت سے پروش پانے  
لگے تھے۔

وہ دل سے چاہتی تھی کہ صبا بقاوت کر دے  
مگر اسے تو چپ چاپ رہنے کی تھی اور فری کا بھی  
بیکہ حال تھا برسوں کی پیہ نظر آ رہی تھی، جی دیر  
سے وہ بیٹوں اپنی اپنی جگہ پہنچے سوچ رہی تھیں، صبا  
کا متہ دیوار کی طرف تھا اس لئے اس کے تاثرات  
نظر نہیں آ رہے تھے۔

صبا کیا تم اس رشتے سے خوش ہو۔۔۔ سب  
کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے یہ سوال کر دیا جو  
بے خاصا بے رحمانہ سمجھا تھا۔

ہاں میں خوش ہوں، ناخوش ہونے کی  
کون وجہ نہیں ہے۔۔۔ صبا کی صبا دل کے دروہ  
کا پتہ پاتے ہوئے تھا ہر نام سے بد ازمن ہوئی مگر

چوہدری ریاض کی طرف سے صبا کے لئے  
میں تو نے ہونے کے بھاری سیٹ اور قیمتی ہوت  
آئے تھے، دیگر عورتوں کی طرح آئندہ خوش نہیں  
تھی نہ جانے کیوں اس کا دل کب رہا تھا کہ صبا کو  
قربان گاہ کی طرف لے جایا جا رہا ہے، شرم  
بانائے تم وہ لب بھی نہیں کھول سکتی تھی۔

سب شک مجھے پڑا نہیں ہے۔۔۔ اس کی  
بے رحمی میں شدید جذبات کی وجہ سے سرخ ہو  
گئی تھی۔

حریم مجھے تم سے خوف آتا ہے ہم میں  
کون نہیں ہوتا تو تم کیوں شریک کرنا ہوا، چوہدری  
رحمت ہی ایسی ہے۔ یہ فری تھی، حریم کی جی

کیونکہ یہ فری قسمت ایسی سے انہی رشتہ  
میں آئی تھی شادی ہوئی ہے ذرا کی ہوئی  
جہاں کی قسمت ایسی کیوں نہیں ہے؟ اس  
رحمت تایا اور قادر کی چچا کی دونوں  
عورتوں کے نام لئے، فری اسے بے بسی

سے دیکھ کر رہی تھی، وہ اگر اس کی یہ باتیں سن  
لیتے تو مارنے میں ایک منٹ بھی نہ ڈرتے، پتہ  
نہیں کہ چچا کی جی تڑپ، وہ سب تو صبارہ  
شاہر بھی اپنی اپنی قسموں میں اور یہ قسمت کو خاطر  
میں ہی نہیں بلکہ رتی بھی صبا چادر منہ پہ ڈالنے سے  
آؤز رو رہی تھی۔

زندگی ایک مزاج ٹھہری ہے  
شر بھڑکا کا عذاب ٹھہری ہے  
اک دنیا جو دن کو دیکھتی ہے  
رات چڑتے ہی خواب ٹھہری ہے  
آنکھ میں بھوپ اک رہی ہے  
ذلف برہم حجاب ٹھہری ہے  
اک ریت نے اگلے ہیں گائے  
ایک شعل حجاب ٹھہری ہے  
دل بیمار ہے خون کا بریا  
آنکھ جس پہ حجاب ٹھہری ہے  
آب کے دستار کا سوال آیا ہے  
اب کے گردن جواب ٹھہری ہے

رحمن اور ثور میر رحمت کیلانی کے گھر پہنچی ہوئی  
تھی، رحمت کی شادی میں رحمت نے انہیں ایک بڑی  
دکان بھی لگی کہ یہ سلیمان کو پسند آتی ہے، صبا  
بھی نہیں جانتی تھی زیادہ، اتفاق سے ثور میر پہنچی  
بھی وہ بڑی بھائی، جانے اس کی سیدھی بھائی تھی  
کہ آ میری، سلیمان کے فرشتوں کو بھی شہر نہیں  
تھی کہ عالیہ پھینچنے کے گھر نما اور چچا کی بیویاں اور  
سب متفہم سے تھی ہیں، بات سرف اتی تھی کہ  
رحمت کی شادی میں ایسے ہی سلیمان نے زارا سے  
پوچھ لیا کہ یہ لڑکی کون سے دو جانے کیا تھی کہ اسی  
وقت رحمت بھی کو رنگ آمیزی کے ساتھ تیار ہو  
گئی تھیں کہ دل میں کچھ کانا ہے، فری من سے  
خیال میں نہیں کی پواس بری نہیں تھی، رحمت کی  
شادی کے دوران وہ دیکھے تھے انداز میں سلیمان  
کو چھوڑی رہی جنہیں اپنی نہیں کھو دات کی بہ

سے اس نے خوب انجوائے کیا۔

ہوئے ہوئے پہ بات تو میرے جسم کے کان  
تک پہنچی، اب وہ تنہی سے بیٹے کی شادی کے  
بارے میں سوچ رہی تھی، انہوں نے شوہر سے  
ڈر کر کیا تو انہوں نے ہال ان کے کورٹ میں وال  
دی، شجاع بڑا بیٹا جو کہ ڈاکٹر تھا وہ بھی سلیمان کی  
پسند کے حق میں تھا، اس کو خبر ہی نہیں تھا کہ بالائی  
بالا تھا ہر دوٹ حرم کے حق میں ہیں۔

پچیسویں کے صبر سے وہ جس قدر انہوں نے یہ  
خوشخبری سلیمان کو سنائی تو نہ سمجھنے والے انداز  
میں وہ انہیں دیکھنے لگا۔

”کیوں خوشی سے بہت بن گئے ہو۔“ رحمت

نے پوچھا۔

”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔“

”مجھ جادو کے بہت جلدی۔“ رحمت نے شریر  
نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ ہنسنے لگا۔

”چاہا کیا۔“

”یہا بھی کیا کہہ رہی ہیں مہا؟“ اس نے اسے  
ساق بات کر دی، تو وہ یہ بیگم نے غور سے اس کا  
چہرہ دیکھا۔

”باب میں آج تمہاری پھپھو کی طرف تھی  
تھی، اس نے چہرے کے بارے میں بات کرنے جو  
رحمت بھائی کی تھی۔“

”سلیمان مجھے حرم بہت اچھی لگی ہے، آج  
کل کی ترکیبوں والی خرابی نہیں ہے، اس میں نہ  
فصلوں شوخی اور شرارت، تمہاری پسند والی بہت  
اچھی ہے۔“ آخر میں انہوں نے شرارت سے  
سلیمان کو بھرا تو وہ تب ہی اٹھا۔

”میری پسند؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ بھائی  
بھی کچھ ایسی ہی باتیں کر رہی ہیں، میری پسند  
کب سے ہوئی ہے مجھے پسند بھی نہیں کہ لڑکی کو ان  
ہے۔“ وہ دائیں بولی رہا تھا اب کہ حیران  
ہونے کی باری تو میری تھی، انہوں نے آواز سے  
گہرے گونگے ہوئے۔

”سلیمان کہہ رہا ہے کہ مجھے تو پتہ ہی نہیں  
کہ کون سی لڑکی ہے۔“ وہ پریشان سی نگاہوں  
میں تھی۔

”مجھے تو زرا پتہ چلا تھا کہ سلیمان اس کی  
مزدور حرم میں انہیں لے رہا ہے۔“ تو میرے  
کے پوچھنے پر اس نے سب چھوڑ دیا، اب  
سلیمان سر پکڑے بیٹھا تھا۔

”مجھے سے آپ لوگ پوچھنا لیتے ڈاکٹر کی  
پھپھو کے گھر پہنچ گئے آپ کو اب پورا ہی بات کا  
افسانہ بنا دیا حد ہوئی سے حماقت ہی، آپ اس کا  
دیں پھپھو کو۔“ سلیمان کا انداز دو ایک اور سہ  
جھک تھا۔

-----

”تو میرے ایک بھٹے بعد غالیہ کی طرف  
چکر لگایا، وہ زمان میں کچھ ایسی منسرویات آنے  
آئی کہ چاہنے کے باوجود بھی وہ نہ لگی، اب  
میں نے اسے خدا کو یاد دلائی تھی کہ وہ اس کا  
پتہ نہ لگے۔“

”انہوں نے پوری بات  
غالیہ کو بتادی، اب وہ پریشان تھی کیونکہ اس نے  
رحمت گیلانی سے ذکر کیا تھا کہ تو میرا بھائی  
بیٹے سلیمان کے لئے حرم کو مانگ رہی ہیں،  
اور عدنان کی شادی میں وہ انہیں پسند آتی ہے۔  
”سلیمان نے خود اپنی پسند کا اظہار کیا ہے۔ وہ  
پتا خوش ہوئے کیونکہ سلیمان انہیں دل سے  
تھا، بہت سے والدین کی نظریں اس پر پڑتی تھیں  
وہ بھائی ہوا تو حیران تھے اس کی اچھی اور دلچسپی  
تھی غالیہ کا بھتیجا تھا کسی رخصت کے کا اعلان تھا۔“

تھا حرم یا عدنان ہیں سے کسی نے پتہ لگا  
سے بتادی کرنا پسند نہیں کیا تو کیا ہوا سلیمان  
ذریعے ان کی یہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔  
گیلانی نے پہلے جو دھماکہ دیا تھا ان میں  
کوئی بھی انہیں پسند نہیں تھا، لیکن کچھ عرصے  
نے انہیں بدلتی خاطر نہیں کی اگر انہیں یہ

آپ نے کون سا میری کسی بیٹی کو ہو رہا ہے تو  
وہ پھر کیا جواب دیتے، چاہے اپنی طرف سے  
انہوں نے پوری کوشش کی تھی۔

اب غالیہ نے سلیمان والی خوشخبری سنائی تو  
انہوں نے اس وقت انور کو فون کیا، اسے تو بات  
نہ ہوئی مگر آئندہ انہوں نے بتا دیا۔

”تمہ کو ان پر پورا اعتماد تھا، رحمت گیلانی کا  
رو یہ ان کے ساتھ بڑے بھائی دلانا تھا اب جو  
انہوں نے حرم کے لئے ارشاد بتایا تو انہیں یقین  
تھا کہ جو لڑکا انہوں نے پسند کیا ہے وہ اچھا ہی ہو  
گی، پہلی بار اتنے دنوں کے بعد انہوں نے خود کو  
ترک سونے حرم میں رہنے جب سے صبا کی بات کے  
ہوئی وہ بہتر سے ہی لگتے رہے۔“

”رحمت بھائی آپ کب لارے میں ان  
کو لیں گے؟“ وہ اپنی نشست میں تھی جیسے ذرا سی دیر  
میں تو جانے کیا ہو جائے گا۔

”اصل میں وہ آج گیلانی کے آگے فیصلوں  
کے لئے آئی تھی اور پوری بات کا احوال دیا  
تھا، رحمت نے اس کی پوری بات سن لی، اب صبا کے لئے اس  
کے جو بیک کر کے چوہدری رہا، اب تو چاہتا تھا اس پر  
وہ احتجاج بھی نہ کر پاتی تھی، اگر قسمت سے حرم  
کے لئے کوئی اچھا رشتہ آیا تھا تو وہ اسے ہاتھ سے  
نکال دینا نہیں چاہتی تھی، اسے یقین تھا کہ انور گیلانی  
رحمت بھائی کو انکار نہیں کریں گے، سلیمان کے  
والدین اور انہیں کو وہ خود بھی جانتے تھے اور انکار  
کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی، اس بات پر وہ  
بھائی تھی، رحمت بھائی نے جلد ہی اسے کو کہا

”سب باتیں غالیہ کے سامنے ہی تو ہوئی  
تھیں اب تو میرا بھائی کے سامنے وہ متکرمی نہیں  
ہوگی۔“

”میں رحمت کو کیا جواب دوں گی وہ تو آئندہ  
میں اور انور بھائی سے بھی کہہ سکے ہیں اب وہ  
آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب بات کرے۔“

-----

خود پہ آگے بڑھنا نہیں دے۔“

”تو بہت برا ہوا ہے خیر میں رنجہ کرتی  
ہوں۔“ تو میرے دل سے۔

”بھائی حرم بہت اچھی لڑکی ہے، رحمت نے  
اپنے بھائی کی چاہدہاں میں بہت پسند ہیں، اگر  
عالم یا عدنان میں سے کوئی مان، جاتا تو آج کوئی  
نہ کوئی ہماری بیٹی ہوئی لیکن دونوں نے انکار کر دیا  
کہ انور پچائے تنہیوں میں اپنی اولاد کی پرورش کی  
ہے اور بے جا دیکھ لوگ اور پابندیوں نے ان  
کی اصل شخصیت کو مٹ کر دیا ہے وہ بہتر سے  
خاموش ہوئی، پوری سی لڑکی سے شادی نہیں کر  
سکتے، یہی سب وجہ تھی انکار کی، ورنہ فری اور سب کچھ  
بھی پسند تھی، مگر یہاں بھی اپنی سبب کو تو آپ جانتی ہیں  
اپنے فیصلے خود کرتی ہے پھر میں اور رحمت بھی  
اولاد پر اپنی مرضی بھروسے کے قائم نہیں ہیں۔“

”مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حرم  
بہت ہی اچھی لڑکی ہے بتادی میں آپ نے خود  
اسے دیکھا ہے، عادات و اطوار چاہے کچھ الگ  
بات چیت میں کوئی بھی عیادت میں نہیں ہے نہ  
آج کل کی لڑکیاں والی ہے، ہاں شادی و شراوت  
سے، آپ اچھی طرح سوچیں بات رحمت سے  
حرم کی سب کچھ لگی ہے، میری پریشانی آپ  
کے سامنے ہے، اگر اب اس مرحلے پہ کوئی ایسی  
ایسی بات ہوئی تو رحمت جانے میرے اور آپ  
کے بارے میں کیا سوچیں گی؟“ غالیہ اس کے لئے  
سوچوں کے بہت سے دروازے کھلی۔

”پھر سوچیں بھائی جان یہ سب باتیں کا کام  
ہوگا، آئندہ بھی تو کچھ سے اتنا خوش ہیں۔“ وہ  
پچھونے انداز میں تو میرے کو جذباتی بیگم کر رہی  
تھی، ورنہ حقیقتاً دل میں وہ بہت پریشان تھی۔  
اس انکار سے رحمت نے سوچے گا؟ پتہ نہیں  
چلتا اور بھائی کے بارے میں اس کی سوچ پہلے  
کی طرح نہیں رہے گی، وہ دل سے دعا کر رہی تھی  
کہ بات نہ جانے اور سلیمان مان جائے تو میرے

-----



اسے تھیں وہ سہ ہر گھر چلی گئی۔

ایک دفعہ بعد عیسا کی شادی تھی، مگر گھر میں وہ خوشی نہ گنجانے وہ بڑا گھٹیا نظر نہیں آ رہا تھا جو شادی والے گھر کا خاصہ ہوتا ہے پتہ پڑی ریاض سے کہنا تھا کہ وہ سادی سے بارہا آئے گا اور اس کی طرف سے آجھ وہ لوگ ہی ہوں گے، مگر انور گیلانی نے خاص خاص سب دوست اصحاب کو دعوت نامہ پہنچا دیا تھا، اپنی دانست میں انہوں نے بہت امیر اور بابر منور داماد کو چنا تھا اور یہی چیز وہ اپنے جاننے والوں کو دکھانا چاہتے تھے، چنانچہ یہی وہ تھے۔ انہوں نے جو بد رتی ریاض کے دیے گئے پیسوں سے بڑھ چڑھ کر انعام کیے تھے۔

ٹومس نے معید صاحب کو بھی ہموار کیا تھا۔ آخر کہیں نہ کہیں ہم نے سلیمان کی شادی کرنی ہی ہے تو کیوں نہ خریم سے ہی ہو جائے، جو گندہ بھی زانو نے ہم سب کے دل میں ڈال دیے تھے۔ ایک خوب صورت بندہ جس میں بھی تو بدلی سکتے ہیں۔ سلیمان بھی پاس بیٹھا سن رہا تھا۔ مگر اس نے خریم سے کہہ دیا کہ میں نے اس فکر سے نہیں دیکھا اس شخص سے تو کیا میں نے غور سے ہی نہیں دیکھا اور آپ ہیں کہ بڑا فیصلہ کرنے لپٹے ہیں۔ اس نے شکایتی لہجہ سے کہا: دیکھا۔

تو اب دیکھ لیں غور سے بھی اور اس نظر سے بھی، خریم کی بڑی بہن کی شادی سے اسی دفعہ ہمیں بھی انوائٹ کیا گیا ہے تم اچھی طرح اپنا طبعان کر لینا۔ ٹومس نے قصداً سلیمان کو چھیڑا مگر وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

ہاں سلیمان تمہاری مہمانچہک کہہ رہی ہیں تم خود چننا ہمارے ساتھ اور لڑکی دیکھ لینا ساتھ

ان کے ماحول اور عادات کا جس اندازہ نہ پتا۔

”ٹھیک ہے پاپا۔“ اس نے جان چھڑا کر کوئبر دیا۔

”غائب کا فون آیا تھا کہ مایوں یہ لڑکی آہا۔“ ٹومس نے معید کو یاد دلائی کہ وہ لڑکی۔

”سلیمان اور رینا کو لے جانا میں بارہا پتا جاؤں گے۔“ انہوں نے اپنا فیصلہ منایا۔

”پاپا کیا مجھے اپنا فیصلہ سناتے کی آزادی دین گے آپ۔“ سلیمان نے سوال کر کے ماحول تنجید بنا دیا۔

”میں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی دے رہی ہوں ایک بات ذہن میں رکھنا میری اپنی تو کوئی جی نہیں ہے لیکن میں بیویوں کے والدین کے احسانات سمجھتا ہوں، تم صرف کسی کی جی کو اس وجہ سے نہ ٹھیک کر دو کہ وہ سمجھتے سمجھتے ماحول تنجید ہو رہی ہے اور تمہارا دل اس وقت تک نہیں رہتا کہ تمہاری جی کو اس طرح کو سوچ لو پھر مجھے اپنا فیصلہ سناتا ہے مجھے اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ تم میری نواہد ہو اور شجاعت کی طرح میں تمہارے ساتھ بھی رہا ہوں نہیں کروں گا تمہاری پسند کو اولیت دوں گا۔“

”جینٹل پرسونج پاپا آپ نے جی جی میری پریشانی دور کر دی ہے۔“ وہ بارہا یہ فون کے اندر پاپا سے کہتا ہے کہ ٹومس بھی مسکرا رہی ہے، ایک بڑی پریشانی ختم ہوئی ہے۔

پرسونج جیسا کہ مایوں نے چاہا تھا، سلیمان نے بھی ساتھ جانا تھا انہیں سو فیصد یقین تھا کہ سلیمان ان کا مان نہیں توڑے گا۔

رینا بھی بھی مٹا لگی ہے وہیں سے ابھر رہی ہے، کافی سارے لوگ جج تھے، پاپا ان کا گھر پر مقیم نظر آ رہی تھیں، وہ تیر کی طرح ان کے پاس پہنچیں، خریم سب کے پاس کھڑی

تھیں۔ یہی ہو کر ہے میں کافی دیر سے تمہیں تلاش کر رہی تھی۔“ ان کا اشتقاق اور پر خلوص رویہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا، نہ خاندان نے بھی خیر خیریت پوچھی، اس نے ظاہری مسکراہٹ پر ہنسی پر چلی ہوئی تھی، اس نے میں زارا اور اس کے بھی ادھر آئیں، ادھر ادھر کی باتیں شروع ہوئی، خریم معذرت کر کے کسی کام سے اندر چلی گئی، سلیمان کی نظریں اس کی طرف نہیں۔

”ایکے میں تو محترمہ اچھی خاصی ہیں مگر بد اخلاق ہیں۔“ اس کا گزشتہ رویہ یاد کر کے سلیمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی، ٹومس بھی بڑی محبت سے جگہ جگہ کر خریم سے ملی بھی جس پر شرارتی زارا کی کھانسی رکنے کا تاہم نہیں لے رہی تھی، اب سلیمان بھی نہ صرف ان کے شرارتی فقرہوں کا جواب دے رہا تھا بلکہ اس صورت حال کو نبھانے بھی لگا رہا تھا۔

”سلیمان! تمہارے تیار ہو کر آگئی تھی، تمہارا شروع ہو گئے تھے، خریم اسے کمرے میں لے آئی، فری مہمانوں کے ساتھ گئی تھی۔“

”تم اس شادی سے انکار کر دو۔“ خریم بہت پریشان اور متطرب لگ رہی تھی۔

”کیسے انکار کر دوں۔“ جواب دینا پچھلی سی مسکراہٹ سمیت ہوئی تو وہ بتا کہ مرنے لگی۔

”جیسے اور لڑکیاں کرتی ہیں، ہمارے مذہب نے ہمیں یہ حق دیا ہے، کل تیار رحمت اور امی کی باتیں میں نے سنی ہیں وہ اس رشتے پہ مطمئن نہیں ہیں۔“ جو بد رتی ریاض کے ہارے میں پچھ پائیں انہوں نے سنی ہیں وہی وہ امی کے ساتھ بیٹھ رہے تھے۔

”میں نہیں چاہتی کہ منہ آپنی جیسا حال ہو۔“ شدت جذب سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”میں انکار نہیں کر سکتی خریم۔“

”کیوں؟“ وہ جی ہی تو پڑی۔

”کیونکہ اسے غرضے بعد ابو نے مجھے بتا کہہ کر سینے سے لگایا ہے، میری برسوں کی محرومیوں کا مداوا ہو گیا ہے وہ مجھے آج میں کودنے کو بولیں تو میں ماب نہیں کر دوں گی ابو کی اس محبت کے بدلے میری جان بھی قربان ہے، ہم میری اس بے اندازہ خوشی کا احساس تک نہیں کر سکتی جو ابو نے بتی کہہ کر مجھے دیا ہے، انہوں نے مجھے سینے سے لگایا، ان کی گود میں غم رکھ کر میں برسوں کے دکھ بھول گئی ہوں، بھلا میں کیسے انکار کر دوں میں نہیں کر سکتی اور تم بھی اس طرح کی بات نہ کرو سنی نے سنی تو قیامت آجائے گی۔“

”صبا! اسے سمجھانے کی۔“ ہونہ اور قیامت کیا آئے گی جو کوئی تھی آگئی ہے میں تمہاری جگہ ہوئی تو گھر سے بھاگ جاتی۔“ وہ اپنی باتوں میں اتنی مگن تھا کہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے انور گیلانی نے آئے گی بھی خبر بھی نہ ہوئی اس کو ابنا کا چہرہ ابنا کر ہی جیسے پیلا پڑ گیا، انور گیلانی ان کے پاس کھڑے تھے۔

”صبا کو پال میں نے تو مہمان آ گئے ہیں۔“ ان کا لہجہ آواز نہ رہا ہی تھا، شاید انہوں نے خریم کی باتیں نہیں سنی تھیں ورنہ اسے سنیں میں نہ ہوتے، صبا نے مسکرا کر سانس لی، خریم بھی متفکر لگ رہی تھی۔

صبا کی رخصتی کے نام خریم و حواں و حواہ روئی، امی زیادہ کہ منہ کو دور سا پڑ گیا اسے سنہا لیا مشک ہوا رہا تھا، اپنے سہارے کو اب بچے تھے منہ پر جی بچ کر رہی تھی اور جانے کیا پتہ بول رہی تھی۔

انقلاب سے شجاعت بھی آیا تھا، آخر کار وہ اپنے کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا، اس نے منہ کو دندوں سے جانے کو کہا، تین چار خواتین نے بکشت قہر کا

نور کے اندر پہنچا۔

ادھر باہر حریم صبا سے لیکن رو رہی تھی، اور  
گیلائی نے زبردستی اسے صبا سے الگ کیا، ان کی  
رفتہ میں غصہ تھا۔

”تم اندر چلو تمنا شامست بناؤ صبا رخصت ہو  
کر جا رہی ہے کوئی جنازہ نہیں جا رہا اس کا۔“  
انہوں نے وہ سب اتنی آہستہ آواز میں کہا کہ حریم  
کے علاوہ کوئی اور سن بھی نہ سکا، اور گیلائی کے غلط  
لفظ سے بے حس و حرکت رہی تھی۔

نظر رو رہی ہے سفر تھک گیا  
دڑتے دڑتے بھونکے تھک گیا  
جواہر سے پہلے خبر تھک گیا  
قیامت سے پہلے خبر تھک گیا  
شر کو تھک گیا تھک گیا  
ہوا تھک گیا ہے سفر تھک گیا  
مہرنگ ہو چھین چھین کی شست  
میرا صبر سدا ادھر تھک گیا  
اندھیروں سے پہلے سوا گئی چراغ  
اجالوں سے پہلے سفر تھک گیا  
دڑتے دڑتے روئی کی صدا  
مری ہر دغا کا اثر تھک گیا

جو بددی رہا جس نے ولیمہ گھر پہنچا کیا تھا اور  
مہمانوں کے نام یہ بھی پانچ افراد تھے اس کے  
خبردار سے اور گیلائی سمیت ان کے دونوں  
بھائی ایسے تھے، شادی میں بارہات کے ساتھ  
بھی جو بددی رہا جس کی طرف سے کل نو افراد  
آئے تھے اور آج بھی بچہ ایسا ہی حال تھا اور دست  
اور فاروقی دونوں بھائی بچہ منگتے تھے جانے اس  
میں بہار اڑتھا۔

فری آج نہیں آئی تھی کل جیسا کہ رخصتی کے  
بعد وہ گھر چلی گئی تھی، صرف حریم آئی تھی، منزدہ گھر  
نہیں آئی اور گیلائی نے اسے ساتھ لے جانے سے  
منع کر دیا تھا، کل منزدہ کو سب کے سامنے جو دورہ

پڑا تھا اس کی وجہ سے وہ اتنی تھک چکیاں کر رہے  
تھے، تب ہی تو آج وہ استمر سے تین بندہ گھر سے  
باہر سے لاکھ کر آئے تھے، اندر سے وہ تھکی ہوئی  
تھی۔

”میری جان ابھی نہیں چھوڑتی ہیں یہ پادری  
تک آگیا ہوں یہاں کسی کی آئے ان کی طرف آ  
جائے، چاروں اس کی جان چھوڑ دیں میری۔“  
دروازہ دھاک دھاک کھٹکے ہوئے ہوا اندر دلی کا زور  
دیگر، غصوں میں اندلی رہے تھے، آمنہ سن کر بھی  
انجان بنی ہوئی تھی اور حریم کا چہرہ دھواں دھواں  
ہو رہا تھا۔

گھنٹاں درگاہاں ہے اک ہزار کی پوٹیں  
گمشدہ دست راستوں پر اک ستارے کی تاریں  
منزلوں کی بھائی ہیں زینت کی دھڑکیں  
سہاخیوں کو ڈھونڈتی ہے پھر کڑا سے کی توشیں

فری کچن میں مسروٹ تھی، اس کی نند تھی  
آئی ہوئی تھی، یہ گھر کی اور نور با تو تھیں  
وہ تھے، ہوسٹل کے بچوں کی شادی اور اس  
دیا جانے والا تھی جیسے تھا، اسے مانتے کے  
وہ لوگ اونچا اونچا بول رہے تھے، خاص طور پر  
پاسر اور اس کی سانس کل سامع کا رول ادا کر رہی  
تھی۔

”ذیکھا کتنا زیادہ دھیر دیا ہے اور ایک ایک  
چیز پڑھیا اور تھیں، شادی میں ایک اور غور سے بنا  
رہی تھی کہ جو جواز اور ان کے پہنا ہے وہ بھی پاپ  
کے گھر کے ہے اور کسی طرح بھی وہاں لائے  
بھی کم کا نہیں ہے۔“

”ہم تو دیکھ کے میں مار رہے تھے کہ  
بہاری ہو، نور صاحب کی سوتیلی بہن ہے، اس کا  
چیز پس سو سو تھک جیسے پس فری ادا کیا ہو یا سر سے  
ادھا ہو، میں بھی کتنی پاگل تھی اسے میرے جیسے  
بے گوارگ میں جھونک دیا کیا پتہ تھا کہ ایسا ہو گا  
میں سوچتی ہوں دونوں انور صاحب کی زبانیں

جس نگر اتنا فرق کیوں؟ ایک کو اتنا کچھ دیا اور  
دوسری کو نہ دیا، کتنے تو دانی میں کچھ کال لگاتا ہے  
ورنہ دو تکی مٹیوں کے ساتھ اتنا مختلف سلوک اور  
دینے دنانے ہیں اتنا فرق، ضرور کوئی چکر ہے۔“  
اس کی سانس نے ایک نیا ہی شوشہ چھوڑا تو یا سر بھی  
متوجہ ہو گیا، کھانا بن چکا تھا، وہ تینوں کو بلائے آئی  
تو نور با تو نے باتیں پڑ کر ادھر بھی بٹھا لیا۔

”فری بچہ جانا، انور صاحب نے تمہیں اتنا کد  
اور تنہا دھیر کیوں دیا ہے، ہم ایسے بھی کئے  
گزر رہے ہیں۔“ ہزار بار کا وہ رہا سوال آج  
پھر انہوں نے کیا تو فری کو ردنا آگیا، انہیں  
حقیقت بتا کر وہ پاپ کی بنی بنائی عزت اور ساکھ  
کو خاک میں نہیں ملانا چاہتی تھی، وہ کتنے منہ سے  
جانی کہ شادی کا جواز ان کے گھر کا نہیں ہے بلکہ  
جو بددی رہا جس کے دینے گئے بیسوں سے خریدا  
گیا ہے اور جس قیمتی جہیز نے ان کے سینے میں  
کھپ لوگ ہوئی ہے وہ بھی اب اسے اپنے پیسوں

کے نہیں خریدا ہے بلکہ جو بددی رہا جس کی تمہاری  
ہے، جیسا کہ شادی میں ان کی وجہ سے ایک چیز  
بھی نہیں خریدا ہے اور ابے چاہا قلمدہ بھی حاصل  
ہوا تھا، جب ہی تو گھر والوں کے ساتھ ان کا رویہ  
اچھا تھا، ورنہ اسے پہلے تو وہ انگارے چبانے  
دیتے، صبا رخصت کی دھڑکی تھی، ان کی چاروں  
بہنیوں میں سے سب سے زیادہ کامیابی تھی، اس  
کی وجہ سے آج وہ وہاں اپنے کاروبار کو بنانے  
میں کامیاب ہوئے تھے، پہنچا تھوڑا ہوا تھا سچا حاصل  
کیا اور ساتھ بھی بنائی، اگر وہ یہ سب بتا رہی تو  
یقیناً نور بانو انور گیلائی کو آڑے ہاتھوں دیتی اور  
اسے پتی کا تاجز قرار دیتی، اس نے کہا تو اتنا کہ  
”اس وقت ابو کا کاروبار کھانے میں جا رہا تھا،  
بہت سارے داروں کے قرضے واجب الادا تھے  
کہاں سے وہ اعلیٰ اور قیمتی جہیز کا انتظام کرتے۔“  
”اب تو تین برس رہا ہے مجھے ہاتھوں تم  
بھی اپنے جیسے کا مقابلہ کر دو کیونکہ یا سر بھی اپنا

کاروبار کرنے کی سوچ رہا ہے تو کرنی میں کچھ نہیں  
رکھا ہے، کل کو سچے ہوں گے تو سو ضرور تیں، اور  
خرچے ہوں گے، تو کرنی میں کیاں سے پورا ہو گا۔  
اب اپنے ابو کو ہی دیکھ لو، اپنا کاروبار بنے تو کتنی  
گناہی نہیں ہے اور کتنے فحاشات بھارت ہیں، ہر کوئی  
جھک کر مانتا ہے، میں تمہارے بھٹے کو ہی کہہ رہی  
ہوں، ویسے بھی تمہیں جو پانچ لے گا تمہارا ہی، دو جا،  
نہیں کوئی لالچ نہیں ہے، تم جاؤ اور اپنا حصہ مانو  
تا کہ یا سر بھی کچھ کرے۔“ نور بانو کا انداز غلطی  
اور دو لوگ تھا، فری کی جھوک ہی ختم ہو گئی۔

.....  
حسب توقع سننے ہی انور گیلائی کٹ پڑے  
ہوئے۔

”میرے پاس ایک پیسہ نہیں ہے اور تم  
اپنے شوہر کی جمائی بن کر یہاں چلی آئی خوب  
سمجھتا ہوں میں تمہاری لاپرواہی فطرت کہ، ایک تنگ  
نہیں ہے میرے پاس، جو تمہاری شادی میں  
دست دیا، اب میرے پاس دینے کے لئے کچھ  
نہیں ہے، واپس چلی جاؤ اور اس نیت سے آئندہ  
میرے گھر قدم نہ رکھنا، کل شک آگیا ہوں تم  
لوگوں سے، بوجھ ہو یا جو میرے سر پہ رکھا، وہ  
شادی کے بعد بھی جان نہیں چھوڑ رہی ہو، میں  
شکل تک نہیں دیکھتا چاہتا تمہاری، تمہیں دینے  
کے لئے میرے پاس کوئی دولت اور جائیداد نہیں  
ہے، اتنے عرصہ تمہیں کھلایا پہنایا اب اور کیا مانگا  
ہو پوہ؟“ فری کا سر جھکا ہوا تھا اس کے پاس  
بولنے کے لئے ایک لفظ نہیں تھا، نہ لانا۔ وہ پہنچا  
چاہتی تھی کہ۔

”ابو آپ غلط سمجھ رہے ہیں، میں پہلے اپنی مرضی  
اور خوشی سے نہیں آئی ہوں اور نہ کوئی لالچ ہے  
میرے دل میں، یا سر کے دین رات کے مٹاؤں  
سے شک آکر میں آئی ہوں ورنہ اس نیت سے  
میرا آنے کو دل بھی نہیں کرتا۔“ میرا سدا کی  
ڈر پول اور انور گیلائی سے خائف فری چنچو چل

ہی نہ سگی۔

”یقیناً تم نے میرے کاروبار پر نظر لگائی ہو  
مگر وہ میرے دونوں بیٹوں کا ہے، اس کی امید  
نہ رکھنا، تم بیٹوں بہنوں کو میں شادی کے سوتے پہ  
جو دینا تھا دے چکا ہوں۔“ ان کے انداز میں  
کٹ گئی تلواری کی سی، فری کے آنسو اندر ہی اندر  
خشک ہو گئے، دانتی پہ اس کی شکل دیکھ کر ہی نور  
بانو بھانپ گئی کہ کیا جواب ملا جو گنگا پھر بھی انہیں  
خوش نہیں کرتی کہ شاید ویسا نہ ہو جیسا وہ سوچ رہی  
ہیں، تب ہی تو انہوں نے نور سوالیہ لہجہ دیا۔  
”کیا کہا انور صاحبہ نے؟“ وہ چند سیکنڈ  
بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی جسے سمجھ نہ آ رہا ہو  
کہ کیا کہے۔

”اپنے کے پاس فی الحال کوئی رقم نہیں ہے جو  
تمہاری شادی پر دینے والا نہ ہو، میں کام آ  
گئی۔“ اس کی نظریں زمین میں پڑ گئیں،  
”آج سے آٹھ ملا کر سچ بولنے کی ہمت نہیں کھی اس  
میں، مگر سامنے نور بانو اور یاسر تھے، اس کے  
جھوٹ کو فوراً پکڑ لیا۔

”مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تمہارے باپ نے  
کیا کہا ہو گا۔“ اب وہ انور صاحبہ کی جگہ اس کا  
باپ ہو چکا تھا، نور بانو نے لہجے میں جو مصدوقی  
احساس دیا تھا کچھ ختم کر دیا۔

”یاسر یہاں سے نہیں کچھ نہیں لے گا!!  
اور شادی کو سال آئے آئے ہے، ابھی تک کس خوش  
خبری کے آہر نہیں ہیں، بابا سے خاندان میں  
شادی کے پہلے سال ہی لڑکی ماں بن جاتی ہے  
اور بچہ بچی گود میں ہوتا ہے مگر اس شہر و شہر کی  
کوئی امید نہیں ہے۔“ انہوں نے اب  
بڑے آرام سے اسے بانجھ قرار دے دیا تھا، نور  
بانو کے دل میں جو آیا ہوئی تھی، یاسر اٹھ کر باہر چلا  
گیا، اس کی لڑائی کی کال بھی وہی لڑائی جسے وہ  
چاہتا تھا۔

انور گیلانی سے اس کی اتفاقی ملاقات نہ

ہوتی تو آج اس کی لڑائی ہی فری کی جگہ ہوتی،  
اب تو وہ بھی پچھتا رہا تھا کہ ناجائز ملاقات میں اپنی  
چاہت کو دھوکہ دیا، فری کے ہاتھ پہلے میں وہ زمین کی  
کی حرارتوں سے بھرپور اور منور تھی، وہ ابھی تک  
اس کے انتظار میں تھا، یاسر کے سوا اس نے کسی  
سے بھی شادی نہ کرنے کا عہدہ کر رکھا تھا اور ابھی  
تک اس عہدہ پر قائم تھی، یاسر کا دل کیسے نہ مہم  
ہوتا، پھر فری میں تھا ہی کیا، ٹھنڈی بے جس نے  
اسے کوئی فائدہ حاصل ہوا تھا، وہ اب بیوی  
سے جان چھڑانے کی سیاق رہا تھا، نور بانو کی  
باتوں نے ہی راہ دکھائی تھی اب تک فری کی گود  
خالی تھی، نور بانو نے تو کہہ دیا تھا کہ وہ لفظ کہہ کر  
فارغ کر دو، مگر اس میں بھی قیامت تھی اور وہ  
قیامت فری کا بھاری حق مہر تھا، جو خالق کی  
سیورت میں اسے لازمی دینا پڑتا اور یہ وہ کسی  
صورت نہیں کر سکتا تھا، اگر حق مہر اسے دیتا تو وہ  
خود گود کی گود کو بھرتا ہو جاتا۔

انور گیلانی نے شادی کے سوتے پہ  
بیماری کی مہر کھپوایا تھا، اس وقت اس نے خوش  
خوش آمادگی دی تھی، اس کے وہم و گماں میں  
نہیں تھا کہ بھی ایسی صورت حال سے بھی واسطہ  
پڑے گا وہ نہ وہ بھی اتنا حق مہر نہ کھپوایا۔  
دوسری سیورت خلع کی کھنکھاتی جگہ  
رہے تھے کہ فری بھی یوں نہیں کرے گی اس ایک  
سال کے دوران اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اور  
کسی اور کے ساتھ ہوتا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر  
بھاگ چکی ہوتی۔

مگر ان سب غیروں کے باوجود فری کو یہ  
سہارا ٹھیک لگا، اسے پتہ تھا باپ کے گھر میں  
اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس کے مقابلے  
میں اسے یہ شہر اور جبر مشغول تھا، تب ہی نور بانو کا  
بڑا وارو یہ وہ برداشت کیے جاتی۔

اب تو اس مٹی کے مہجور سے وہ ماں بیٹا بھی  
چرنے لگے تھے کچھ بھی کہہ لو اس پر اثر ہی نہ تھا۔

انور گیلانی کچھ دے دیا تو شاید فری کو بھڑکا  
مگر پادہ برداشت کر ہی لیتا مگر اب تو کچھ ایسی  
امید ہی نہیں تھی، فری کا چہرہ بھی تڑپا تھا کہ ادھر  
سے صاف جواب مل گیا ہے ورنہ وہ اتنی مایوس  
نہ ہوتا۔

شجاع آج ٹینک سے جلدی آ گیا تھا،  
شجاع سعید شیرازی کا سب سے بڑا بیٹا تھا اس  
کے بعد سلیمان تھا جو انجینئرنگ کرنے کے بعد  
ایک ملٹی نیشنل فرم میں بہت اچھے عہدے پہ کام کر  
رہا تھا، سعید اور نو مہیہ کی کل کائنات دہی دو بیٹے  
تھے، شجاع ڈاکٹر تھا، ڈیڑھ سال پہلے انہوں نے  
رہنا سے اس کی شادی کی تھی، اب ان کا چھوٹا سا  
بیٹا تھا جو ان سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔

سب اس بول رہے تھے تب ہی سعید  
شیرازی نے سلیمان کو گھیر لیا۔  
”ابھی تک نہیں  
اپنے جواب سے آگاہ نہیں کیا۔“

”کس جواب سے۔“ وہ صاف انجان بن  
گیا، حالانکہ سمجھ تو وہ کیا تھا مگر جان کر انجان بن  
گیا۔

”انور گیلانی کی بیٹی کے بارے میں تم نے  
ابھی تک نہیں بتایا ہے کہ آیا تم راضی ہو کہ  
نہیں۔“ وہ اس کی چال سمجھ گئے تب ہی تو صاف  
بات کی، اب سب سلیمان کی طرف دیکھ رہے  
تھے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

”آپ جو مناسب سمجھیں وہی کریں میری  
طرف سے اجازت ہے۔“

”تو گویا تمہاری مرضی اس میں شامل نہیں  
ہے۔“ شجاع نے بھی گھٹو میں حصہ لیا۔

”ارے میں نے کب ایسا کہا۔“ وہ ہلکا  
ہی تو کہتا۔

”تو پھر تمہاری مرضی جو بڑی پسند ہے تمہیں۔“

شجاع شیرازی بیٹے ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
”نہیں چھوڑیں آپ میری پسند، میں نے من  
پاپا کی مرضی کو اولیت دی ہے جو یہ چاہتے ہیں  
وہی ہو گا، میری خبر ہے مشرقی لڑکا ہوں۔“ شجاع  
اور رعنا نے ٹیک وقت کشن اسے دے مارا ہوا ہوا  
اس نے پکڑ لیا۔

”دیکھ میں پہلے ہی کہتی تھی کہ حرم کو پسند  
کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ رعنا خوشی  
سے ہر شادی۔

”اور میں ابھی نکلتا ہوں تمہاری شریقت  
جس میں الوینا ہے ہو۔“ شجاع نے اس کے گتے  
پال آگے سے پکڑ لئے تو وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھ  
گیا، اب وہ چاروں مل کر اس کا رپکار ڈال رہے  
تھے آخر میں وہ خود بھی ان کے ساتھ مل گیا۔

”اے خدا میرے گھر کی خوشیوں کو ہمیشہ  
سلامت رکھنا۔“ ان سب کو ہنستے مسترا تے دیکھ کر  
نور صاحبہ کے دل سے دعا تھی۔

دروازے پہ دستک ہوئی، سلیمان بیٹہ پہ  
دراڑی دی دیکھ رہا تھا۔  
”آجائیں دروازہ کھلا ہے۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ  
گیا، آنے والی رعنا تھی۔

”آئیے بھابھی یہاں بیٹھیں۔“ وہ بیٹہ پہ  
پر سے سرک گیا اور اس کے لئے جگہ بنائی۔  
”بہن تو گولی کھئی نہیں وہ بہن والے سارے  
چاؤ اور لاڈ رعنا سے ہی کرتا تھا، وہ بھی اسے بھائی  
کی طرح ہی چاہتی۔“

”خیریت بھابھی اس ناختم۔“ اس نے دامن  
کھلک یہ نگاہ دوڑائی غام طور پہ اس وقت رعنا  
اپنے بیڈروم میں ہوئی تھی۔

”ہاں خیریت ہی ہے اصل میں مجھے ممانے  
کہا ہے کہ تمہاری مرضی معلوم کروں، میں سمجھ رہی  
ہوں۔“

”تو پھر تمہاری مرضی جو بڑی پسند ہے تمہیں۔“

ہے۔ وہ بہت پیچیدہ لگ رہی تھی۔

”تم پہ کوئی دباؤ نہیں ہے اگر تمہارے دل میں کوئی ایسی بات ہے تو بتا دو ہم سلیقے سے انکار کر دیں گے اور انور شکل کو اپنی اسٹیلٹ بھی قیل نہیں ہوگی۔“ سلیمان نے خاموشی سے پوری بات سنی۔

”میں نے کسی دباؤ کے تحت ہاں نہیں کی ہے یہ سچ ہے کہ پہلے میں نے حرم کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا مگر بعد میں جب مجھے ممانے کہا کہ اس بارے میں سوچوں تو پھر کچھ کچھ میں نے خود کو آمادہ کر لیا ورنہ اسے پہلے میرا کوئی مودا نہیں تھا کیونکہ رحمت انکل کے گھر میرا پہلا نا اہل اس کے ساتھ کوئی ایسا خوشنوار نہیں تھا جس نے مج سے آرام سے اسے ہر اخلاق کا نمائش دیا تھا، اس کے بعد پھر اس نے کس فی بیو کیا تو مجھے غصہ بھی آیا، مگر سچ پوچھیں تو اس کی ہر اخلاقی اس کا مشہور کردار ہے بھلا میں اس کا کیا لگتا تھا جو وہ میرے ساتھ ادب ادب سے بات کرتی اور شادی میں اسے ہواں دھندلے دے دیکھ کر میں نے بڑی مشکل سے اپنے اس ارادے سے قابو پایا کہ اسے چپ کراؤں۔“ سلیمان کی جگاہوں میں وہ منظر پھر پوری جزئیات سمیت ابھر آیا۔

”تو تم دل سے براہی ہو۔“ رحمت نے تائید پائی۔

”جی بھائی کیونکہ اس میں وہ سب کچھ ہے جو کوئی بھی لڑکا اپنی شریک حیات کے لئے سوچ سکتا ہے، بلکہ مجھے تو اب وہ اچھی لگنے لگی ہے ایمانداری سے بتا رہا ہوں۔“ رحمت اس کے بولنے کے دوران دروازے تک پہنچ چکی تھی، اسے پہلے کہ وہ پہنچ بھٹکا رحمت نے یکدم دروازہ پورا کھول دیا، سامنے شجاع کھڑا تھا، وہ ان دونوں کی ساری شرارت بھانپ گیا، شجاع اندر آچکا تھا اور اب وہ دونوں بل کر اسے کھن سے مار رہے تھے۔

”مما پایا کے سامنے اداکاری کرتے ہو، میں نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرائے کے ارادے پہ قابو پایا، اب تو وہ مجھے اچھی لگنے لگی ہے ایمانداری سے بتا رہا ہوں۔“ شجاع اسے گدگدی کر رہا تھا۔

”بھئی شادی پہ اتنا دباؤ رہی تھی اپنی پرٹ چائے کیا حال ہو گا؟“ رحمت بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔

”میں نہیں روئے دوں نکالت۔“ سلیمان احمقانہ سے بولتا تو دونوں نے اسے شرم دلائی۔

”شرم کرو، ابھی سے اتنی فکر ہو رہی ہے۔“

”شرم کی کیا بات ہے میرے بولنے والی لائف پارٹنر ہے وہ۔“ اس نے بڑی خوبصورتی سے وقار کیا تو وہ میاں بڑی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

”مما پایا کل پر گرام ہے کہ جلدی ملے گی اور پھر کس کی رسم کریں۔“ رحمت بولی۔

”بہت نیک خیال ہے۔“ سلیمان رحمت بولتا تو شجاع نے اسے مصنوعی غصے سے خوبصورتی میں پیار ہی پیار تھا۔

بدن چار ستارے نیچے ہوئے  
 اور جان تمنا کدھر جا رہی ہو  
 ذرا پاس آؤ کہ چین آ جائے  
 چوہدری ریاض اپنی بے سوزی آواز میں دس بھرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے غنکارا تھا۔

محبت کی یہ انتہا ہو گئی کہ  
 مستی میں تم کو خدا کہہ دیا  
 زمانہ بھی انصاف کرتا رہے  
 خدا جانے میں نے یہ کیا کہہ دیا  
 عبا بالوں میں برش کر رہی تھی اور چوہدری ریاض کی نظروں کا محور وہی تھی، شادی کو ایک ماہ ہو چکا تھا اور اس ایک ماہ کے دوران چوہدری

ریاض نے خبرداری کا ہر سے علاوہ گھر سے باہر کا رخ نہیں کیا تھا۔

”نہ جانے کیا بات تھی ہر رخ سرخ آنکھوں والے اپنے شریک سفر سے اسے خوف ہی آتا، شادی سے پہلے شہر اور گھر کے بارے میں اس نے خواب تو نہیں سنے تھے مگر یہ بھی نہیں چاہا تھا جو چوہدری ریاض کی نظروں میں سامنے تھا۔

چوہدری انورگ پاراں دیدہ تھے، وہ کم سن اور نڈان، اتنے بڑے لہر میں ان دونوں اور دو ملازموں کے سوا کوئی نہیں تھا، پہلے روز سے ہی چوہدری ریاض نے اس پہ اپنا رعب جمایا تھا، اس ایک ماہ کے دوران صرف ایک بار وہ نیچے گئی تھی تب ایو گویا اس کے قدموں میں بچہ بچہ گئے تھے۔

”اب تمہارا شوہر اور تمہارا گھر ہی تمہارے لئے سب کچھ ہے اس میں دل لگاؤ جو تمہارا شوہر کے لئے ہے، جان کر کہو، اسے یاد دلاؤ کہ تمہارا گھر اس کے لئے سب سے بہت ساری امیدیں ہیں۔“

گھر آنے سے پہلے وہ نامیہ اسے یہی سمجھاتے رہے، اس حریف پائی کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا اور وہ گھر کی ابھر یہ کمرہ تھا اور چوہدری ریاض تھا، اس کی قربت میں اسے عجیب سی وحشت ہوتی اور وہ ہنسنے لگتا۔

شادی کے بعد اتنے کم عرصے میں اس کا بڑا تازہ چیزا مرجھانے لگا تھا چھالی رنگت میں وہ تازگی اور روشنی باقی نہیں رہی تھی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے، اس کے پاس مذہورات اور قیمتی کپڑوں کا ذخیرہ تھا مگر اب پہننے اور جھنے کو دل ہی نہ چاہتا، اس کے بعد چوہدری اسے انوکھے گھر بھی گئے گھر میں گیا اور وہی کوئی اس طرف سے آیا، یہ سب برداشت کرنا کتنا ٹھن تھا کوئی اسکے دل سے پوچھتا، وہ سونے کے بچہ کے میں قید ہو گئی تھی جس کی چابی چوہدری ریاض کے پاس تھی،

اس کی اجازت کے بغیر وہ بڑھتی نہیں جاتی تھی۔

اسیر وشت بلا کا نہ فاجرا کہنا  
 تمام پوچھنے والوں کو بس دعا کہنا  
 یہ کہنا کہ ہم نے ٹولیاں میں ذل دی کشتی  
 قصور اپنا ہے دریا کو کیا برا کہنا

رحمت گھبراہٹ میں بول رہی تھی کہ سائید نے نہ سچا اور ٹوپیہ انور گھبراہٹ کے گھر آئے تھے رحمت نے کئی ہی ٹول کر کے اندر کو بتایا تھا آنے کا تو وہ گھر پہنچ تھا، آٹھ بہت محبت سے لی، وہ بہت خوش تھی کہ اسے تم حریف کی قسمت تو باقی بہنوں جیسی نہیں تھی، عالیہ کا بھائی اور بھائی پر غلوس اور سادہ دلی لوگ تھے، بڑے گھٹے روشن خیال اور پھر گھر آنے کے مالک، آمد کی دلی خواہش تھی کہ انور یہ رشتہ قبول کر لیں کیونکہ حریف کو بھی یہ شوہر کی بڑی دلی کی بھینٹ میں چڑھانا چاہتی تھی۔

رحمت نے ہی سعید اور عالیہ کی آمد کا مدعا بیان کیا، اس وقت انہیں بے پناہ خفت کا سامنا کرنا پڑا جب انور نے چھوٹے ساتھ ہی کہا کہ آپ لوگ تب تک شادی کریں گے؟ اسے ان بولتے یہ سعید شیرازی نے ہی بات کو بڑی خوبصورتی سے سنایا۔

”جب آپ اشارہ کریں گے ہم ہر بات کے کر آ جائیں گے۔“ رحمت کو بہت غصہ آیا چھوٹے بھائی یہ کہ اس نے تو یہی طور پر بھی سوچنے کی مہلت نہیں مائی اور فوراً شادی کا کہہ دیا جیسے جی کوئی بھاری بوجھ ہو اور وہ سر سے اتارنا چاہتا ہو، سعید اور ٹوپیہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جانے کیا سوچتا، رحمت نے کچھ کچھ اپنے بھائی کی عادت اور فطرت کے بارے میں پہلے ہی کہہ دیا تھا، اس لئے بھی انہوں نے کسی منفی سوچ کو دل میں جگہ نہیں دی۔

ان کے دل میں تو یہ بات تھی ہی نہیں کہ



اور صاحب کوئی ایسی بات کریں گے ورنہ وہ انوکھی قولاً زمانے آتے۔

آمنہ کے ساتھ حریم چائے لے کر آئی تو ٹومپہ گلے لگا کر ملی اور سعید صاحب نے انھ کو اس کے سر پر ہاتھ بھیرا، اس نے ان کے آد کو کام مہمانوں کی طرح ہی لیا تھا، دوسرے کئی نے ابھی تک کچھ بتایا نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد چلی گئی تو گفتگو کا سلسلہ وہاں سے شروع ہوا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

"میں حریم کی شادی جلدی کرنا چاہتا ہوں اگر آپ لوگ پہلے آجائے تو میں دونوں بیٹیوں کے بوجہ سے اللہ کا ہو جاتا۔" رحمت نے اس کی بات پہ بہاؤ دلائے تنگ ٹومپہ اور سعید اس کی ہوشی کے بھائی اور بھابی تھے مگر انور کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا کتنے آرام سے یو جو قرار دے دیا اپنی ذات کو۔

"بھائی صاحب آپ کوئی ذیبت رکھ لیں تو گفتگو کر لیتے ہیں آخر ہماری بھی برادری ہے سولے چلے والے ہیں۔" ٹومپہ نے سہاؤ سے بات کی تو انور کے ماتھے کی لکیریں کچھ اور بھی گہری ہو گئیں۔

"گفتگو کا مقصد خوار ہو کر خراج اور وقت کا نیا بے میں تو کہتا ہوں کہ آپ جلدی بارات لے لیں۔" ان کی سوتی ایک اسی بات پہ اٹک گئی تھی۔

ٹومپہ اور سعید تو چپے چپے مگر رحمت اور عالیہ ابھی تک ادھر ہی تھیں۔

"انور یہ تم نے آج کس طرح بات کی ہے یہ لوگ پہلی بار آئے تھے، جی کا رشتہ طے کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے تم نے تو حد کر دی ہے اپنے منہ سے اتنی مقرراری کہ کتب بارات نامیں گے، بیٹیاں اتنی ارزاں نہیں ہوتیں، خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔" بھائی کی بات کا انور نے کوئی جواب

نہیں دیا، وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، صاحب کی رخصتی کے دن انہوں نے حریم کی ہاتھیں من لی تھیں، اس وقت مصلحت کے تحت وہ خاموش ہو گئے تھے مگر اب حریم کی بغاوت کے پرکھنے ضروری تھے ورنہ انہوں نے جہا کو ہم کاتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اچھا ہوا جو رحمت بھائی اور عالیہ بھابی کے ذریعے یہ رشتہ آگیا ورنہ ان کی نظر میں ایک اور رشتہ بھی تھا، وہ بہت از چند حریم کی شادی کر کے اسے اس گھر سے دفعتاً کرنا چاہتے تھے کیونکہ شیراز بھی لڑکی پسند کر چکا تھا اس نے کہا تھا کہ آپ حریم کی شادی کریں میں اس سے بعد اپنی دونوں گھر لادوں گا، سو وہ آج کل اسی سلسلے میں سرگرم تھے۔

ای کی بات یہ وہ آنکھیں کھولے دیکھتی رہتی، حالانکہ شرم کا قہار تھا کہ وہ مشرقی لڑکی کی مانند سر جھکا لیتی مگر وہ بہت پریشان ہو رہی تھی، جیسے جیسے وہ اپنے لیے بتا کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

"ٹومپہ بہن اور سعید بھائی کو تم بہت اچھی لگی ہو، بہن اور عدنان کی شادی میں تمہیں رکنا دیا تھا کہ سعید بھائی ہماری حریم کا رشتہ اپنے بیٹے کے نئے مانگ رہے ہیں، آج یہ لوگ آئے ان سے پیار اور جات سے تمہارا رشتہ مانگا ہے، میں بہت خوش ہوں کہ تمہاری قسمت میری بانی بچیوں جیسی نہ ہو۔" دو برسوں کی چھٹی ہادی شوہر کے چیر کی چکی میں ہستی عورت دہری گئی۔

"میری معصوم بیٹیاں اب تک نہیں کر سکتیں، جہا شادی کے بعد صرف ایک بار آئی ہے جب پہلی بار اس کا شوہر اسے یہاں لایا تو یہاں تک رہا تھا جیسے خزانے کا سانپ ہے، میری بھول بن گئی اس کے بعد نہیں آئی، تمہارے باب کو تو کوئی خیال نہیں ہے یوں لگتا ہے جیسے ہم نے اپنی

جی کو فراموش کر دیا ہے، چوہدری ریاض نے اس کے بعد اپنی حق نہیں دھائی، دوسری طرف فری کو دیکھتی ہوں تو کچھ بیت کو آتا ہے۔" آمنہ دوپٹے من ڈالے بلک رہی تھی، حریم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہاں کو چپ کر لیتی، بیٹیوں نے صبا کا ذکر پھینک کر سست بھی پریشان کر دیا تھا، اس کی سچ اب صبا کی طرف مڑ گئی تھی، وہی طور پہ وہ آج کا اتنا بڑا واقعہ قبول کر گئی۔

"اُمی صبا کو فون کر کے بلواتے ہیں بلکہ چوہدری ریاض صاحب کو کہتے ہیں اسے کچھ دہلیز کے لئے جہا کی طرف چھوڑ جائیں۔" وہ روٹی دھونی آمنہ کا دھیان ہٹاتا چہ روٹی بھی اور ایسا ہی ہوا، آمنہ کے آسور دہکتے۔

"ناں ٹھیک ہے فون کرو پھر صبا کو۔"

"مرا اُمی صبا کا تو نمبر ہی نہیں ہے میرے پاس، وہ صرف ایک بار آئی اور اتنی جلدی میں کہ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ نمبر لے سکوں۔"

"چلو ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں مگر نہ جانے تمہارے انوکھے صاحب دیکھیں گے۔" وہ انجمن سے انتظار کرنا شروع ہو گئی تھی۔

الو وہاں آئے تو حریم نے ڈرتے ڈرتے جہا کا نمبر مانگا، انہوں نے جواباً اسے قہر آلود بٹھا ہوں سے دیکھا۔

"کیوں چاہیے اس کا نمبر وہ اپنے گھر خوش بے باک نہ کرو۔"

"مگر ادا کی پریشان ہیں اس کی وجہ سے، وہ شادی کے بعد صرف ایک بار آئی ہے مجھے خود

بہن کی یاد آ رہی ہے۔" وہ بو کے سخت بچے سے پریشان تو ضرور ہوئی مگر بغاوت خود کو مضبوط بناتے رکھا۔

"اس عورت کا اور کام ہی کیا ہے سوائے مجھے پریشان کرنے کے، پوری زندگی بولی ٹھیک نہیں دیا اسے شکر کی عورت نے، اپنی نحوست کے ساتھ پورے گھر میں ڈال دیا، اوپر سے اپنے جیسے چار بیٹیاں پیدا کر دیں میرا امتحان لینے کے لئے پتہ لگیا کب جان چھوٹے کی تم ہے۔" حریم کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا، وہ جو صبا کا نمبر لینے آئی تھی بھول ہی گئی اور لڑکھڑاتے قدموں سے سرے نی ولینے پار کی، انور کیلانی شروع ہو گئے تھے، یہ جانے بغیر کہ اس ک دن پہ کیا توڑ رہی ہے۔

اگلے دن خود ہی صبا غیر متوقع طور پہ آگئی کئی سے اس اداس سی حریم بے طرف خوش ہو گئی وہ بہن کی والہانہ محبت سے ملی، اس سر اور جہا میں صرف دو سال کا فرق تھا اسی وجہ سے دونوں آپس میں دیر سے قریب تھیں، صبا ہر بات مانا اپنا فرض سمجھتی تھی، اسے کچھ مانے بغیر وہ وہی نہیں کر سکتی تھی لیکن آج جانے کیا ہوا کہ جب حریم نے پوچھا تم اتنی کمزور کمزوری کیوں لگ رہی ہو وہ ڈال گئی، حریم جان گی کہ وہ کچھ مانے سے گریزاں ہے۔

شادی کے بعد تو لڑکیاں اور بھی نکھر جاتی ہیں مگر صبا کی گھلائی رحمت میں ڈوبیاں کھلی ہوئی تھیں، حریم کے سامنے رحمت پیائی جی من اور عدنان کی دونوں رائیہ کی مثال تھی، جو شادی سے بعد پہلے سے بڑھ کر خوبصورت لگ رہی تھی دونوں صبا کی شادی میں آئی تھیں اور ان کے لبوں سے جہا ہی نہیں ہو مارا ہی تھی، ادھر اس کی بہن برسوں کی چہا نظر آ رہی تھی۔

"دات زندگی ہاں میں نے بہت ساری

شک رہتی ہیں۔ "وہ بچوں کی طرز پر لگتی تھیں۔  
 "بچوں میں نہیں رک سکتی۔"  
 "کیا دل؟" اس نے ہنسنے لگا اور اس  
 نے بچائے انی نے جواب دیا۔

"اب یہ شادی شدہ وہ نہ ہو رہی ہے اور  
 شادی اس کی پہلی ذمہ داری ہے، اب یہ میرے  
 دھن میں رہتی آئے گی ماں اور بہنوں کو سننا  
 زیادہ عرصہ رکھتے ہیں، تمہاری شادی ہوئی تو خود  
 پتہ چل جائے گا کہ اپنے گھر اور ذمہ داری میں  
 کی جیسے طرح ہو کر رہیں گے، کو بھول جاتی ہے، پھر  
 ہمارا بھی یہی حال ہوگا۔"

"آپ کان کنول کریں، میں نے شادی  
 کر لی، کر رہی تھی تو میں پھر الٹا سیدھا کر  
 رہی، آپ مجھے فری ص اور منورہ آتی نہ سمجھیں  
 بے زبان گائے کی طرح ابو کے فیصلے پر قربان  
 ہیں، میں سخت غمزدگ کرتی ہوں، ابو باقی بیٹیوں  
 طرح مجھے بھی ساری عمر آزمائشوں کی بھی  
 جلا نا چاہتے ہیں، رحمت تاپا کے گھر وہ رشتہ آیا  
 ماں، ابو کے سب رشتہ دار ان کی طرف سے،  
 میرے گھر تو منگور سے گھر شادی نہیں۔ "وہ ہندو  
 کی کوئی کی طرح تراشہ شروع ہوئی، آئندہ اور  
 اس نے اسے سخت رد عمل پہنچا پکار بھگتی، حریف  
 بہنوں میں سب سے زیادہ باقی اور صاف  
 تھی، اس وقت بھی جو اس کے دل میں تھا اس  
 بول دیا۔

اب نئی پریشانی آئے کہ اچھوتی ہوئی تھی جو حریف  
 علم کھل اٹھارے نے پیدا کی تھی، اور انور گیلانی  
 لیتے تو جانے اس کا کیا مشر کرتے کیجئے آج  
 ان کی سنی بنی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان  
 کے سر پر اعراف کریں، پتہ نہیں خرید کا  
 آج کیا رنگ نالے والا تھا۔

مڑک کنارے واقع اس رستورنٹ میں

باسر اور اس کی کنون فرح آئے ساتھ بیٹھے تھے۔  
 چرخہ بند کر دیکر گھر میں تھیں جو پڑے پر۔  
 کی تھی، وہ دونوں کی ملاقات کوئی عرصہ پہلے ہوئی  
 تھی، زور یہ سر کے دن میں شادی سے پہلے وہ  
 توپ اور بے قراری بنیاد ہو رہی تھی۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" ان دوٹی کے  
 حلوں دقتے و فرح نے ہی توڑا۔

"سوچنا کیا میں خود پریشان ہوں، عذاب  
 ہوں تو ساتھ حق میری دین پڑے گا اور اب، بچہ  
 خلق نے تو میرا کام آسان ہو جائے گا، تو مجھے  
 نہیں لگتا کہ وہ خلق لینے پر راضی ہوئی۔" وہ باغی  
 تھا۔

"قربان کر دو تو میں رہ جو کیا تھی ہے، ہو  
 سکتا ہے مان جائے۔"

"وہ تو میں کر لوں گا میں، اگر اس نے اپنے  
 باپ کو بتا دیا تو؟" یہ خطرہ بھی تو بہر حال موجود تھا  
 ان اتنی دھڑکتے تو اس نے بھی نہیں لگتی تھی  
 قدرتی نہیں اٹھایا تھا، انور گیلانی نے شیت اور مقہور  
 سے وہ بھی طرح واقف تھا، اگر وہ خلاق و پتاپا  
 زبردستی گھر سے نکال دیتا تو جانے وہ اس کے  
 خلاف کیا کیا انتقامی کارروائیاں کرتے، کاش کہ  
 فری خود ہی حلقہ مانگ لیتی۔

"چلو پھر نہ بات کرو کوئی اور مل سوچتے ہیں  
 تم اپنا رویہ اتنا سرگردانہ وہ خود ہی خلق کا مطالبہ کر  
 دے۔" فرح نے جو بزدلی۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں اب پتہ  
 دریک پتہ میں نے گھر بھی جانا ہے آج دیر ہوئی  
 ہے۔" باسر نے اپنا گلاس اٹھایا اور اسے بھی پینے  
 کا اشارہ کیا، فرح ہلکے ہلکے چسکیاں لینے لگی۔

----

"اُف میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے  
 ہیں انور صاحب نے تو شادی کی جلدی مچا دی  
 ہے، کیسے ہو گا سب کچھ وہیں کے پڑے۔"

جوتے، زور، سب چیزوں کی خریداری باقی ہے،  
 ساتھ منگنی کا چھوٹا سا فٹیشن بھی کرتا ہے تاکہ  
 شاد سے خاندان کو پتہ چلے، انور صاحب  
 نے تو منع کیا تھا مگر میرا دل کرتا ہے کہ سلیمان  
 کے بھی سارے چاؤ اور اربابان ہونے کوں۔"  
 دور عطا کو بتا رہی تھی، جواب اس نے تسلی دی۔

"مما! آپ منگنی کے لئے جوڑا اور انگوٹھی  
 لے آئیں پھر انور نکلے سے پچھ کر کوئی بھی دن  
 رکھ لیں۔"

"ہاں ابھی تو ٹھیک ہو میں پہلے غائب ہو بھی  
 اور رحمت بھائی سے بات کر لی ہوں کہ انور  
 صاحب کو منگنی کے لئے آمادہ کریں۔"  
 "ٹھیک ہے ممّا آپ آج ہی جائیں میرے  
 خیال سے پھر شادی، وہ منگنی میں اتنا وقت نہیں ہو  
 گا۔"

رحمت رحمت بھائی کو نوں کرتی ہوں اور انور  
 کے لئے پتہ چل گیا تھا، انور گیلانی کے  
 گھر میں پکارا دیا، انہوں نے تو بھی تحصیل سے  
 بات کی۔

"مما! کیا پھر ہلکے نے؟" بات ختم  
 کر کے انہوں نے فون بند کیا تو رونا نے پوچھا۔

"کہہ رہے ہیں میں شام کو انور کی طرف  
 جاتا ہوں پھر بتاؤ ہوں میں نے بھی کہا کہ منگنی  
 کا نوں کروں گی کیونکہ ہمارا خراجہ پرا خاندان ہے،  
 سلیمان میرا ایلا بیٹا ہے میں اچانک اور  
 غیر اتفری میں شادی پہ لوگ جانے کیا کیا باتیں  
 بتائیں۔" وہ منگور ہوئی تو رونا نے تسلی دی۔

"کچھ نہیں ہوتا ممّا ہم منگنی سب کو بتا دیں  
 گے کہ شادی جلدی ہو گی، ویسے بھی ہو سکتا ہے  
 انور نکلے کی کوئی بھینری ہو جو وہ جلدی شادی کرنا  
 چاہتے ہوں۔"

"ہاں تم بھی ٹھیک کہتی ہو، بندے کی سو  
 بھیریاں ہوں ہیں، بیٹیوں کے ہو کچھیرے

ہوتے ہیں، اچھا ہے یہ ٹھیک کام جلدی ہو جائے  
 سلیمان کی خوشیاں بھی دیکھ لوں اپنے جیتے جی،  
 زندگی کا کیا اعتبار، آج سب بے فکر نہیں۔"

"اللہ آپ کا سایہ سلامت رکھے ممّا! رحمت  
 نے محبت سے ان کے گرد بازو پھیلا کر سران کے  
 کندھے سے ٹکا دیا تو ٹومہ اس کی محبت سے  
 سرشار ہوئی۔

انور گیلانی منگنی کی رسم کے لئے رانسی نہیں  
 ہوئے اس کے بجائے وہ جلدی شادی پر زور  
 دے رہے تھے، انی جوتے ٹومہ اور سعید نے  
 اپنے گھر ہی چھوٹا سا فٹیشن کر لیا، تعلقات کے  
 آغاز میں ہی انور گیلانی کی یہ بہت جھڑپ انہیں  
 خاصا بد دل کر رہی تھی۔

ساتھ ساتھ شادی کی تیاریاں بھی شروع  
 تھیں، سلیمان نے صاف لشکروں میں کہا تھا مجھے  
 چیز کے نام پر کچھ بھی نہیں چاہیے، رحمت کے گھر  
 والوں سے بھی چیز نہیں لیا گئی تھا، سلیمان کو اپنے  
 زور بازو پہ بھروسہ تھا، وہ چاہتا تھا اس کی تندی اس  
 کی کوئی میں ہی نزارا کرے، ابھی خاصی خوشیاں  
 لیتی سے تعلق تھا سلیمان کلا تب بیٹی وہ چیز نہیں  
 لینا چاہتا تھا، اس بات کی اطلاع جب انور گیلانی  
 تک پہنچی تو ان کے سر سے بوجھ ہی اتر گیا، ورنہ  
 اسے پہلے ان کا ارادہ تھا کہ فری کی طرف اسے بھی  
 کچھ دے دلا دیا جائے، مگر فری کی سسرال تو  
 عزادے لائق تھی مگر رحمت گیلانی نے بیت ان  
 کے گھر آ کر وہ چیز لینے سے انکار کر رکھتے تھے، پھر  
 بھی رحمت کا موقف تھا کہ بیٹی ذات ہے اس کی  
 نیکورنی کے لئے کچھ نہ کچھ دے دے، شہک اس کا  
 چیک اکاؤنٹ کھول کر میسج جمع کر، ادو۔"

کچھ نہ کچھ کرنا بیٹی تھا، انہیں بہت فائدہ آیا  
 تھا، وہ بیٹیاں ہوتی تھیں، انور ہوتا، انور کا  
 خراب تھا۔

تو میرے جرم کے لئے عروسی سوٹ ایک مشہور پرنسپل سے آرڈر پر بنوایا تھا۔ وہ انور صاحب کے گھر بھجوایا گیا تھا کہ حرم پہن کر چپ کر لے اور کوئی بھی پیشی ہو تو ٹھیک کر دانی ہائے۔

تو میری چاہتی تھی کہ حرم ساتھ لے جا کر شادی کی شاپنگ کروائے مگر آمنہ نے سہولت سے منع کر دیا تھا۔ انور صاحب کو یہ سب پسند نہیں تھا اور یہ سے حرم کے تہہ بھی نہایت جارحانہ تھے۔

آمنہ عروسی سوٹ لے کر اس کے پاس آئی جو کل مالیہ دے گئی تھی۔ حرم کو دیکھ کر میں

”جینا یہ سوٹ پہن کر دیکھ لو پورا ہے اور ٹھیک ٹھیک ہے کہ نہیں تاکہ کوئی شک ہو تو ابھی دور کر دیا جائے۔“ آمنہ نے پیک کی سوٹ اس کی طرف بڑھایا جو اس نے مان کے ہاتھ سے لے کر زمین پر پڑ دیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے آپ مجھ کو زمین ان اوگوں کو، اگر زبردستی تو میں گھر سے بھاگ جاؤں گی۔“ وہ پھوٹ کھائی تاکہ کی طرح ہلکا اٹھی۔

”شادی میں صرف چھ روز باقی ہیں میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں، اگر تمہارے باپ نے سن لیا تو جان سے مار دے گا، پہلے ہی مجھے طعنہ ملا ہے کہ چار کھوپڑیاں پیدا کی ہیں، کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے، چپ کر کے مان جاؤ اسی میں بہتری ہے ہم سب کی، تمہاری باقی بہنوں کی مثال سامنے ہے، ان میں سے کوئی نہیں بولا۔“

”بہن شک جان سے مار دیں مجھے ایک بار نہ ماروں گی باپ، روز روز کے مرنے سے نہایت

مل جائے گی، پیدا ہوتے ساتھ ہی گامخوشت دیتیں ناں، مجھے وہ دور بہت اچھا لگتا ہے جب پیدا ہوتے ہی بچی زمین میں دنا دیا جاتا مزارم یہی طرح وہ آگاہی کے خدا یوں سے تو ٹھیکہ رہتی تھی، منہ آگاہی کے ساتھ جو ہوا سب کے سامنے سے فری آگاہی اور صاحب بھی اپنے اپنے حصے کا عذاب بھگت رہی ہیں صبا کی شکل دیکھی ہے آپ نے، کتنی چپ چپ تھی وہ، میں اپنی زندگی کو ان خاموشیوں کی نذر نہیں کر سکتی۔“

”آپ ابو سے کہہ دیں میں نے شادی نہیں کرنی بلکہ ابھی جاؤں گی۔“ ک۔ ک۔ ک۔ بولتے بولتے اس کی نظر دروازے سے اندر آتے انور گیلانی پہنچی، ان کا چہرہ خون رنگ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے فیضانِ غضب کے شعلے نکل رہے تھے، انہوں نے حرم کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ سن لیا تھا۔

”آمنہ نے اچھا کتنی نظر لگائی ہے ان کی طرف دیکھا، مگر ان کے چہرے پر دم کی پانی خیریا بھر نہیں آ رہی تھی۔“

”تم باہر جاؤ۔“ انہوں نے کانچی آمنہ کو دھکا دیا تو وہ صوفے سے جا کرائی، جسے کی زیادتی سے ان میں بے پناہ طاقت پیدا ہو گئی تھی پھر کمزوری آمنہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ حرم کو باپ کے خطاب سے بچاتی۔

انور نے زبردستی آمنہ کو باہر نکالا، اب وہ دروازہ ناک کر رہے تھے ان کے پاؤں کے پاس ہی بوجہ سا ڈنڈا پڑا تھا، مانی نے کل ہی پان کے سب پودوں اور درختوں کی چھٹائی کی تھی، انور گیلانی وہیں سے یہ مضبوط ڈنڈا اٹھا کر لائے تھے جب حرم آمنہ سے شادی کی مسئلے پہ انکار کر رہی تھی، طعنہ تو پہلے کان کے دلی میں تھا جب وہ صبا کو بہک رہی تھی انکو تب وقت نہیں تھا کہ وہ اس کا ماتحت درست کرتے، آج وہ بارہوا پہنچا۔

خیالات کو الفاظ کا روپ دے رہی تھی تو وہ کسے معاف کرتے، اپنی ذات میں اتنی جرأت وہ دلی کھا کر رہ گئے تھے۔

وہ دروازہ بند کر کے اس کی طرف چلے تو حرم کو یوں لگا کہ موت اس کے سر پہ کھڑی ہے۔ یہ تو کیک کبہ رہی تھی اپنی ماں سے، میرے سامنے کپڑوں میں بھی تو سنوں تمہارے خیالات، بولو۔“ وہ پوری قوت سے دھاتے، باہر آئندہ روزانہ پیت رہتی تھی۔

حرم کے سینے میں دلی پوری قوت سے بھڑک رہا تھا، اسے اب اندازہ ہوا کہ وہ خود کو اپنی زبان سے ناقابلِ اعتدال پہنچا چکی ہے۔ ”بولو۔“ انہوں نے پوری قوت سے ڈنڈا اٹھا جو اس کی ٹانگ پہ لگا تو اذیت سے اس کا پورا جسم زپ اٹھا۔

”ابو جیسے مجھے معاف کر دیں آئندہ کچھ نہیں بولوں گی، میں پہلی اور آخری بار بھی ہونگی اپنے آپ کو معاف کرنے والی، وہ ان کے پاؤں کھلے تو وہیں تھی، معافیاں مانگ رہی تھی، انور یاد کر رہی تھی۔“

”میں آج چھپیں جان سے مار دوں گا، مجھے کیا پتہ تھا کہ میں ناگوں کو چلاتا رہا ہوں، بہت شوق ہے ہاں چھپیں مرنے کا تو آج یہ شوق پورا کر دیتا ہوں۔“ ان کا ہاتھ پوری قوت سے چل رہا تھا، اس کے سر پہ ڈنڈا کتب اذیت کی پوری لہر سے پاؤں تک اسے جیسے شرم ایور کر رہی، وہ دیوانوں کی طرح اسے پیٹ رہے تھے، اب تو حرم میں چپنے کی اور معافی مانگنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی، وہ ہوش سے بچا نہ ہو رہی تھی، جب اس کے بڑے بھائی احمد نے ملازم کے ساتھ مل کر دروازہ توڑا اور اندر داخل ہوا، تب انور نے ڈنڈا پھینک دیا اور نیم جان حرم کے جسم کو ایک اور ٹھوکر لگانا احدا لکھن باہر سے گیا۔

خوف کے مارے آمنہ کی آواز ہی نہیں بکس رہی تھی ورنہ بچی کو اس حال میں دیکھ کر ان کا دل کمر رہا تھا کہ آج وہ اتنا رو میں آتا کہ آسمان کا سینہ شکن ہو جائے۔

حرم بے حس و حرکت فرشی پر پڑی تھی، اس کے سر سے خون نکل رہا تھا مزارا بھگسم ہی زخم زدہ تھا، آمنہ اس کا سر گود میں رکھ کر خاموش آنسو بہا رہی تھی، بندہ دروازے کے اس طرف آنسو نے حرم کی سیب فریادیں سنتی تھیں جو وہ معافیاں مانگ رہی تھی بار بار اپنی غلطی جان رہی تھی اور اپنی کبہ رہی تھی ابو مجھے معاف کر دیں، بہن شک جان سے مار دیں۔

”تمہارے باپ کا دل دم سے خالی ہے پھر کیوں معافی مانگی رہی میری بچی۔“ انہوں نے اس کے بڑبھان ماتھے سے ہاتھ پیچھے کیے۔

”میں یہ تھا انور گیلانی کی ڈانٹر کے پاس آج آئے تھے کہ نہیں چاہیں گے اور یہاں پرست پڑے جانے حرم کا کیا حال ہو، کیونکہ وہ بے ہوش تھی، واحد اور شیراز کو بلانے باہر نکلیں، اس دوران گھر میں کام کرنے والی توڑیانی اس کے پاس آگئی، وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ بیلیاں صرف خرباب سے لے لی نہیں بلکہ امیر باپ کے لئے شاید جان کا وبال ہوئی ہیں، ورنہ آج میں ڈاک سی ڈکی کا یہ حال نہ ہوتا۔“

اکت جانب سے میں بھٹکی، پھر دوسری جانب سے ٹپٹے، پھر اب تو میں ایک نظر سے بھٹکی، پس بکھی پاس ہی ہے میرے ٹوٹ جانے کا بہر ہے ہوتی۔

سلیمان کی مہندی کی تقریب تھی، اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں مہندی شبنم کی نہیں لگاؤں گا اور نہ ہی کوئی خاتون میرے ہاتھوں

میں تھیں کی نرم کے ہاں پہنچا کے دریا بہا رہے۔  
 آج پہ پہلوں کے چہرے میں ہنسا، ہنسا  
 مسکراتا دوستوں سے شرارتی نعروں کا جواب دیتا  
 فری اور سیاہ دونوں کی نگاہوں کا مرکز تھا آفت  
 نہیں آئی تھی وہ گھر پرینی کے پاس بھی، ادھر منور  
 کی طبیعت بھی خراب تھی، حریف کی چنگی پکڑا ایک  
 گھر میں رہنے کی وجہ سے اس تک بھی پہنچا گئی تھی  
 اور اس دن سے اس کی طبیعت خراب تھی، آفت  
 دو ہرے بڑے اب میں تھی، حریم کا جسم زخم زخم تھا  
 اوپر سے شادی پر بھی، جو زخم نظر آ رہے تھے ان  
 کا وہ کیا کرتی، گھر میں مہمانوں کا آنا جانا تھا  
 انہوں نے جھوٹ بولی وہ کہ حریم میزبانیوں سے  
 کر کے تھک رہے تھے آئے ہیں۔

"دوہن کے رشتہ دار آ کر مہندی کی رسم کر  
 لیں۔" آج پہ سے کسی عورت نے آواز دی تو فری  
 اور صبا دونوں ہی بیک وقت انہیں، صبا نے سٹھائی  
 سامان کے ساتھ میں ڈالی۔

"افو بھائی بہن جو بہت سنبھلی تھ چکا  
 ہوں یہ ساتھ ہی اس نے برتی اٹھا کر صبا کے منہ  
 میں خوشی دی، انہیں میں جو شو شروع ہو گئی۔

"ابھی سے اتنی خدمت ہو رہی ہے سالیوں  
 کی۔" سلیمان کی کوئی تڑپ نہ ہوئی۔

"سایمان بھائی حریم کا بہت خیال رکھے گا  
 بہت زیادہ۔" جانتے جانتے وہ اس کے کان میں  
 ہنسنے لگی اور پھر فری وہاں سے نکلی۔

اس کی آنکھوں کی سیہان کی لہجہوں سے  
 پوشیدہ نہ رہ سکی، اپنی خوشی کے موقع پر یہ بھی  
 جانے کیا حیثیت رہتی تھی، وہ جانے کیا کیا  
 سوچنے لگا، صبا اور فری جلدی دانی میں کیونکہ  
 اجڑا اپنے گھر میں بھی مہمان تھے۔

وہ صبا کے ساتھ پارک کی تھی مہندی  
 لگا رہے، تو وہ نے خود شیر کے اچھے بارہیں

بگڑ کر آئی تھی اس روز کے بعد سے حریم کو چپ  
 سی لگ گئی تھی، آج صبا نے مہندی کے لئے  
 پارک جانے کو کہا تو وہ کچھ کچھ بغیر تیار ہو گئی نہ وہ  
 سوال کیا نہ بھی، اس کی خاموشی سے صبا کو خوب آ  
 رہا تھا، وہ تو لڑائی جھگڑائی احتجاج کرتی ہی اچھی لڑکی  
 تھی، ہر بات منہ پہ کھینچنے والی۔

پہلے اس کے دونوں پاؤں پہ مہندی لگائی گئی  
 پھر ہاتھوں کی پوری آلی، پیدائش کے اسے شرت  
 کی نشانیوں اور پرکھنے کو کہا تو اس نے میرا گئی اندر  
 میں اوپر کر دی، دونوں کلائیوں پہ زخم تھے اور ابھی  
 تک پوری طرح مند نہیں ہوئے تھے۔ یہ نشانی  
 سوالیہ لہجہوں سے اسے دیکھنے کی تو تھیں اس کی  
 مدد کے لئے صبا آئے تھیں۔

"اجل میں پاؤں پھینکنے سے یہ میزبانیوں  
 سے نرمی سے تھک رہے تھے آئے ہیں۔" ہنسنے لگی  
 نے یقین کیا تھا کہ نہیں۔

کلائیوں پہ تو مہندی نہیں لگ سکتی تھی  
 جو پہلے لگائی گئی تھی وہاں کے جلاوٹ لگائی گئی تھی  
 اور پھر لگائی گئی تھی۔

"جی ہاں تقریباً سارے جسم پہ یہ نشان  
 ہیں۔" روانی میں صبا کے منہ سے بچ نکلی، اس  
 کا احساس اسے ہونے کے بعد ہوا، لیکن اب تیر  
 کہنا اسے ٹھیک چکا تھا۔

"اور وہی کچھ پھر آپ لوگ شادی کیوں کر  
 رہے ہیں کم سے کم زخم تو مند نہیں ہوئے ہیں۔" وہ  
 تو کسی تعانیدار کی طرح چرت کر رہی تھی۔

"بس کچھ کھینچو مجھ پر یاں ہیں جس کی وجہ  
 سے شادی ایسٹ نہیں جاسکتی۔"

"پھر بھی آپ انہیں کس ایجنے ڈاکٹر کو  
 دکھائیں۔" وہ اب مشورے دینے لگی، صبا نے  
 ہی نہیں سنی کہ ڈاکٹر کو کھانے سے بھاگنے والے  
 منہ کر دیا ہے، وہ تو بھلا ہوا صبا کا کہ ڈاکٹر کو حریم  
 کی ساری کیفیت بتا کر میڈیسن لیا تھا، انی نے

ہی سر اور جسم کے زیادہ مغروب حصوں کی جینڈر  
 کی تھی، تب زندگی میں پہلی بار اسے ایسے غصہ آیا،  
 اس تازگی کی لڑکی کو انہوں نے وہ مشاہدہ فری  
 سے مارا تھا اور اپنے اس نفس پہ شرمندہ بھی نہیں  
 تھے، احمد ہی انہیں پارک باراب کر کے گیا تھا،  
 وہ بھی پہلی وقت سے گیا، گھر جانے سے پہلے وہ  
 ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ان دونوں کے لئے  
 آیا، اب اس کے یہاں آنے کا مقصد بھی تھی،  
 عیب کی آگورڈ پیشکش تھی، حریم کے ہاتھ پاؤں  
 پہ مہندی لگائی ہوئی تھی اور میڈی ڈاکٹر چیک کر رہی  
 تھی، اس کی طرف سے ہونے کا فریغ صبا ان  
 انجام دے رہی تھی، حریم جو درد کو کرنے سے لے  
 انکس لگائے تھے، ایک میڈیکل سنٹر نے احمد  
 نے اس کے لئے نعمت بخش کر تک اور دیگر  
 میڈیسن لی۔

زندگی میں پہلی بار اسے صبا نے اپنی  
 ہاتھوں کے رشتے میں سوچا تھا، وہ پہلی دفعہ  
 اپنے میں میں رہنے والی گھبراہٹ کی طرح  
 تھا، مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ گھر کے  
 معاملات سے بالکل دور زندگی نہیں گزار سکتا،  
 گھر واپس کرنے سے پہلے اس نے صبا کو منع کر  
 دیا کہ کسی سے ڈر نہ کرے کہ میں حریم کو چیک  
 کروانے ڈاکٹر کے پاس لایا تھا، صبا نے پہلی  
 بار اتنی توجہ دی تھی اور صبا بھی کہ روئے جا رہی  
 تھی۔

گھر کی کشتی سے پابند کی کر نہیں اندر  
 کر۔ میں چھ گھنٹہ رہی تھی، رات کا آخری پہر  
 تھا، دن کے تھکے بارے وجود رات کی پرکھان پود  
 میں پناہ لے کر رہے تھے، صبا اور فری بھی سوئی  
 ہوئی تھی۔

حریم بہت دیر سے کروٹیں بدن رہی تھی،  
 زیادہ زبردستی سے لیتا نہیں جاتا تھا کینڈہ پھر

تکلیف شروع ہو جاتی، درد سے ٹھنڈے انہیں تھکی ہوئی  
 وہ نہیں پہ آؤٹ آتے رہتی، اس میں اسے درد اور  
 اتالی تو تین محسوس ہوتی ہیں، کو، امی آج بھی تھکی  
 بری تھی اسے باتیں کرتی رہی کہ شاید یہ پتھر کی  
 صورت بدل پڑے۔

"میں ضروری ماں ہوں سب حالات  
 تمہارے سامنے ہیں، میں اس امید پہ سب  
 سختیاں سہتی رہی کہ شاید حالات بدل جائیں،  
 میں شرمندہ ہوں کہ میں تمہیں سخت مند ہنسا لیتی  
 ماحول نہ دے سکی، چھوٹی عمر سے ہی تمہیں پہ چلی  
 گیا کہ کئی کیا بولی ہے، میں اپنے سامنے  
 تمہارے سونچنے کو بے بسی اور سرد مہر کی تڑپ  
 ہونے دیتی رہی جب تیرا زبان کھولی تو پھر  
 مجازی خدا نے یہ وہ طاقت چپ کر دیا، یہاں  
 کچھ نہ کو آتا ہے تمہاری یہ حالت دیکھ کر، اب تم  
 اپنے دل سے ہر قسم کے شکوک، شبہات کو دور کر  
 دو، سیمان اور اس کے گھر والے بہت اچھے اور  
 خوش ہیں، میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس  
 گھر میں تم بہت سکھ پاؤ گی، ضروری نہیں کہ  
 تمہارے ساتھ بھی باقی بہنوں کی طرح پامیر  
 طرح آؤ، پانچویں انگلیاں برابر ہیں ہولی، گھر سب  
 سکھ پاؤ گی، مجھے اپنے رب پہ پورا بھروسہ ہے، تم  
 کوئی اور حماقت نہ کرنا۔" وہ خاموشی سے سنی رہی  
 وہ ابھی نہیں، ہونے نہیں کہ حریم جا کر لیت تھی،  
 رات قطرہ قطرہ گزر رہی تھی۔

اس نے سولی بولی دونوں بہنوں کی طرف  
 دیکھا، ان کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے  
 پاؤں بندھے نیچے لٹکائے، جوتے پہنے بغیر وہ اندر  
 گرا تھا، روم کی طرف گئی، ہاتھ دوسری اینٹ چلا  
 کہ وہ کپڑوں کی لپیٹ کی طرف گئی، آہ بہت  
 اس کا ہٹ کھڑا اور پھر اس کے نیچے ہاتھ مار کر  
 کاغذ میں لپیٹ کر کئی چیز باہر نکالی، لچرہ، دو پارہ، بند  
 کی طرف واپس آئی۔



ہینڈ کے سر پانے کی طرف درمیانے ساڑ کا سوٹ کیس بھرا تھا، اس میں حریم کے پیڑے اور ضروری استعمال کی دیگر چیزیں تھیں، ہاس نے نمبر مانا کر سوٹ کیس کھولا، کاغذ میں چھپا ہوا چہ اس نے سوٹ کیس کی چکی تہہ میں رکھ دی، رکھنے کے بعد پہلے کی طرف اس نے سوٹ کیس لاک کر دیا۔

گل اس کی بارات آئی تھی اور شام کو رخصتی تھی، آج اس گھر میں اس کا آخری رات بھی گئی اس نے بیس اور ہوتا تھا نئے لوگوں نے چہروں کے درمیان اپنا کام کرنے کے بعد وہ پہلے کی طرح آکر لیٹ لی۔

ہاں جیسے زندہ رہیں اور  
ہاں مرے سر جا میں رہیں  
ہاں چھوئے گھسٹیں رہیں  
جانے کیوں اور جا میں رہیں

آدھی آستھیوں والی چولی میں اس نے بازوؤں پر چمے نکل اور سرخ نشان صاف نظر آ رہے تھے، گلا کیوں میں چڑیاں، کڑے اور پھولوں کے گیزرے جہاں تک جے تھے وہ جگہ چھپی ہوئی تھی، سر جو حصہ نظر آ رہا تھا وہ دیکھنے والی آنکھوں کو سوائے کرنے پہ مجبور کر رہا تھا، اچھ نے خود بارات آنے سے پہلے حریم کی دوائی دودھ کے ساتھ جلا لی۔

فری یہ سب دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ لکاش بھاش تہہ رنی یہ ذرا سی توجہ پہلے مل جانی تو تہہ رنی خواہشوں کے دائرے آج اتنے خالی نہ ہوتے مگر وہ صاف سوچ ہی سکی زبان سے نہ کہہ سکتی۔

ہمیشہ کی سہوہ جلیے میں رہنے والی حریم آج سہوہ کر بہت خوبصورت لگ رہی تھی، ریڈ بلڈ کمر کے نیچے چولی میں مایوس آج اس پہ نوت کر

روپ آیا تھا، رخصتی کے باغم انور صاحب اس کے پاس آئے اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، ہاس نے انہوں نے اسے گلے لگایا تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ ایک دم بچتے ہوئی ہے، وہ اسے کئی سال کی عمر فوراً بہت لگے، پھر آئندہ اور سہا، فری وغیرہ اسے ملیں، آج تو منہ بھی مدور ہی لگی، آخر میں اچھ آگے آیا اور اسے دونوں بازوؤں میں تھام کر گاڑی میں بٹھایا، اس کے ساتھ تہہ رنی رخصت بھی تھی۔

حریم کی آنکھوں سے ایک آنسو تک نہیں نکلے، جیسے آئندہ اس کی بیٹیس رہ رہی تھیں تبہ تھا اس کی آنکھوں میں آنسو لند رنی اندر خشک ہو گئے ہیں۔

تارا اور تک کوئی نہیں ہے  
سیارا دور تک کوئی نہیں ہے  
منا ہے آسوں مجھ کو جس میں  
سناؤ وہ دور تک کوئی نہیں ہے  
کھانا اور تک کوئی نہیں ہے  
اب تو کچھ ایسے چل رہا ہوں میں  
شرارہ دور تک کوئی نہیں ہے

نئے گھر میں حریم کا استقبال بھونوں کی چیونچھ دار کمرے کیا گیا، پھر رخت پہ پہنایا سعید اور تہہ رنی اس سے اور منہ دکھائی دی، وہ سب بہت خوش تھے، اس کے ساتھ تہہ رنی مایہ اور زارا آئی تھی کیونکہ سنا کو چوہہ رنی ریاض اب سے ہی گھر لے گیا تھا، فری کی طبیعت تھیک نہیں تھی وہ بھی پاس کے ساتھ گھر جا چکی تھی، سہوہ کے مطابق پھر تہہ رنی اور تارا رنی کیانی کی تارا رنی کے ساتھ آئیں۔

یہاں یہ تو خوشیوں کی بارات اتاری ہوئی تھی، کافی دیر سے بیٹھے بیٹھے حریم کی کمر میں

کلیف شروع ہوئی تھی، اوپر سے لینگے اور چولی کا بھاری کام دار سوٹ کیس چھوڑا تھا، پھر چہروں کے نشانات بھی جوں کے توڑ تھے اس وجہ سے بھی اسے زیادہ تکلف ہو رہی تھی، دھنا اس کے چہرے سے بھانپ گئی کہ وہ میں تکلیف لگی ہے اس نے سانس کے کان میں پچھو کہ جواباً انہوں نے حریم کو کمرے میں لے جانے کو کہہ دیا، دھنا نے غالیہ اور زارا بھی جانے کے لئے اجازت مانگ رہی تھیں، تہہ رنی انہیں گیت تک خود چھوڑنے لگی۔

رخت، حریم کو بے ہوشے بیڈ روم میں سے نکلے، ہر طرف گلاب اور مہدی کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

رخت نے اسے بیڈ پہ بٹھایا اور پچھتے گاؤ نکھیرے دکھایا۔

"تم ایڑی ہو جاؤ جب تک میں کچھ کھانے کو ناتی ہوں۔" جواباً اس نے اشارے سے منع کر دیا، حالانکہ صبح سے کچھ نہیں کھا تھا، بس دکان کے ساتھ جو روٹھے تھے بھوک تو اس کی دیکھنے لگی مری ہوئی تھی، مگر تہہ رنی کے مال مال کرنے کے باوجود کھانا لے لی، اس کے سامنے حریم نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تو وہ یہ بھی کہ حریم اس کے سامنے کھانے میں تکلیف سے کام لے رہی ہے چنانچہ وہ باہر چلی گئی تاکہ وہ کھانا آرام سے کھالے اس کے جانے کے بعد بھی حریم نے کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھی، چھو دیر بعد دھنا رتن اٹھانے آئی تو سب کچھ جوں کا توں پڑے رکھے کر چونک گئی۔

"اورے کھانا کیوں نہیں کھا ہے۔"

"مجھے ایک نوالے کی بھی بھوک نہیں ہے۔" وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی۔

"چلو خیر، ہے میں دور چھوڑتی ہوں وہ ضرور پل لینا اور ہاس آئی تہہ رنی بھی کہ تہہ رنی جیسوں سے نری ہو اور کافی پوٹش آئی ہیں۔

کہاں کہاں گئی ہے۔" رخت اس کے سامنے بیٹھ گئی، حریم اس کے سوال پہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ لگی اور پھر اپنی گلا پیاں سامنے کر دیا، رخت نے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھا اور غور سے دیکھا۔

"میتھ لیسن لی ہے۔"

"جی! اس نے لکھنا سیکھنے پہ اتنا دل لگا دیا کہ وہ بھی ہوا ہو گا؟" ہاس بار حریم نے صرف سر ہلایا۔

"میتھ سوٹ کیس کیس ہے؟" یہ پہلا سوال تھا جو اس نے رخت سے کیا تھا۔

-----

چھری کی تک تک وقت گزرنے لگا، اس کی اڑا رہی تھی، ہاس نے بیڈ روم کے بند دروازے کی طرف دیکھا، اب کسی کے بھی آنے کا امکان نہیں تھا، سوئے سیدھا ان کے تہہ وہ ابھی سنبھلتی بیڈ سے اتری اور ڈریسنگ روم کی طرف پڑھی، سوٹ کیس سامنے رکھا تھا اور اس نے مطلب یہ نہیں کا کہ وہ مل کر لاک کھولا، اس کی مطلوب چیز اس طرف تھا تہہ میں پڑی تھی، اچھ نے نکال کر ہاتھ میں لائی اور پھر بیڈ روم میں گئی، سیدھا انہیں تک نہیں آیا تھا، تکلیف کی شدت سے اس کا جسم اتر ہوا انگ رہا تھا، چھوٹے چھوٹے تہہ رانی وہ تہہ آدم شیشے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی، بھاری جوتے اور زیورات نے برا حشر کر دیا تھا پھر سہوہ کی اب روحانی تکلیف اس کے غماز ہو گئی۔

اس نے پہلے بھاری جھنجھٹا پارے، ابھی وہ چوڑیاں لہو رہنے کے لئے نکلتی کی طرف ہاتھ بڑھاتی رہی تھی کہ دروازے پہ آہستہ آہستہ



میں اچھا خاصہ زخم لگ گیا تھا، جس نے اس کے وقت رد عمل دیکھ لیا تھا۔ اب وہ اس کے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ یہ ٹھیک ٹھاک گھبراہٹ سے تھا، اپنے ہاتھ کو بخور دیکھتے ہوئے ایک سخت مسکراہٹ اس کے لبوں پر دم توڑ گئی۔

"تو سلیمان صاحب! یہ ہے آپ کی نئی زندگی کی شاندار شروعات۔" اس کی نظر بے خبر سوئی ہوئی تھیں۔ "اس وقت وہ جانے کیلئے اتنا ہی ہوشیار تھا۔"

ابھی تک وہ سو رہی تھی۔ "رہنا ہے ہوشیار؟" وہ بھونکنے سے بھرپور نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"جب تک کہ طبیعت اتنی خراب تھی تو یہ بتایا نہیں؟"

"مما آپ کی تھکن اور پریشانی کی وجہ سے نہیں بتایا کیونکہ آپ پھوٹی چھوٹی بات کی توجہ دیتی ہیں پھر شجاع۔" یہی منع نہ دیا تھا کہ ماما کو بے آرام نہ کرنا۔

حرم بے خبری کی نیند سو رہی تھی صبح کے دس بج رہے تھے، سلیمان اسے اسی صبح سو جا چھوڑ کر فریٹش ہو کر باہر نکلا، اس کا رخ دیکھا بھی نہیں کے کمرے کی طرف تھا، ٹوپی اور سید اس کے اٹھنے کے انتظار میں تھے۔

سلیمان نے نظروں میں بھڑوں میں اس کو شکر یہ ادا کیا، مٹی بڑی مشکل سے بھاگی تھی۔ اس نے بھولیا تھا، سلیمان نے ناشتہ ماما کے ساتھ ہی کیا، دھندلے تین بار حرم کو دیکھ آئی تھی، وہ اسی طرح سو رہی تھی۔

"بھائی آپ جس کر حرم کو دیکھ لیں اور سمجھ لیں۔" شجاع بھائی کی موجودگی میں وہ کھنکھارے ہوئے ہاتھوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مطمئن ہو کر ماما کی طرف آگیا، ٹوپی نے ہمیشہ کی طرح اس سے ہاتھ پہ پیار دیا اور پاس ہی بیٹھا لیا۔

صد شکر کے لیے میں دو دن کا وقفہ تھا تب تک حرم کی طبیعت بھی ٹھیک ہو جاتی۔ دوپہر دو بجے کے بعد اس کی آنکھ کھلی، اسے ماما تو سہرا آگیا، جو تو تین کے پورے طبع سے بیدار ہو کر جاگنے لگے، بعد ازاں حرم بھی، اسے رات کی سب باتیں یاد آئیں، تب وہ گردن بدل کر اٹھ بیٹھی، کلائی میں درد کا شدید احساس پیدا ہوا، رات شجاع نے زخم صاف کر کے صرف پٹی باندھ دی تھی، رات کو وہ اسے ہسپتال نہیں لے جاسکتا تھا۔

"میں تمہاری طرف آنے کی راہی تھی حرم جاگ گئی ہے؟"

"نہیں ماما اس کی طبیعت کچھ نامناسب ہے سو رہی ہے۔" ان کے خیال پہ اس نے وضاحت کی جو کچھ ٹھیک ٹھیک رہی تھی تب ہی رخصت ہو بھی، دھڑا کئی اور اس کی مشکل آسان کی۔

دو پاؤں نیچے سے لٹکائے جوتوں کی تلاش میں نظر اچھڑا دھڑا دھڑا رہی تھی کہ تب ہی دروازہ کھول کر رہنا اندر آئی۔

"السلام علیکم! جاگ گئی، طبیعت کیسی ہے؟"

"مما آپ کو آئی آمد نے بتایا ہی تھا حرم کے روتے کا اور پھر چوٹ لگنے کا، کل سارا دن وہ بے آرام رہی، ابی وجہ سے شاید اسے رات بخور ہو گیا، کافی تیر چھا، شجاع نے سپرینس دی ساتھ سلپنگ پلیر بھی تاکہ حرم کی نیند پوری ہو جائے اور طبیعت بھی ٹھیک ہو جائے، ابی وجہ سے

وہ پاؤں نیچے سے لٹکائے جوتوں کی تلاش میں نظر اچھڑا دھڑا دھڑا رہی تھی کہ تب ہی دروازہ کھول کر رہنا اندر آئی۔

"السلام علیکم! جاگ گئی، طبیعت کیسی ہے؟"

آؤ میں ہاتھ داس تک لے جاتی ہوں منہ ہاتھ بہر کر فریٹش ہو جاؤ پھر ناشتہ کرو، ماما بہت پریشان ہیں تمہاری طبیعت کا سن کر۔ کپڑے بدل لو، اس

پہلے میں شجاع کو بھیجی ہوں تمہاری بیڈنگ کر دیں۔" ایک نئی سائیں میں وہ اتنی سہری باتیں کرتی تھی، مگر حرم کے چہرے پر جام تاثیرات دیکھ کر اندر ہی اندر خاکسب سی ہو گئی مگر ہمت نہیں ہاری۔

"میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں ایزی بھی ہیں اور فیس بھی نہیں، ماما تو تمہیں جو گا۔" دودھ عام ہے بلکہ میں کہہ رہی تھی مگر حرم کچھ اور سی سوچ رہی تھی کیا اس نے میرے بدن پر دم اڑتوں کے نشان دیکھ لئے ہیں۔

رہنا ہے اس کی خاموشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کی سوت کر اس کو ایک سوٹ نکالا، میزوں پر گناہ سوٹ بھاری بھر کم تو بالکل بھی نہیں تھا، چٹکے پچھلے کام سے حرم نہایت اشتائش سا جوڑا تھا۔

"یقیناً یہ مگر بہت سمجھدار ہیں۔" حرم نے دل میں اسے سزا دیا اور پھر خاموشی سے کمرے کے لئے کمرہ ہاتھ روہ میں چلی گئی، اکیلی کی طرح اس نے رعنا کی مدد آفر قبول نہیں کی تھی۔

وہ فریٹش ہو کر باہر آئی تو شجاع صوفے پہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"السلام علیکم! محترمہ حرم سلیمان صاحبہ کیسی طبیعت ہے اب، رات تو میں ڈر رہی گیا تھا۔" شجاع کا انداز اہانتیت بھرا تھا، اس نے بادل بھراستہ سلام کا جواب دیا۔

"آؤ میرے پاس بیٹھو میں بیڈنگ کرتا ہوں پھر ناشتہ کر ڈٹ کر۔" وہ صوفے پہ اس کے پاس کب گئی، اسے میں رعنا بھی ناشتے کی ترے لے کر آئی، شجاع نے بیڈنگ مکمل کی تو حرم نے آستینیں پیچھے کھینچی، رعنا نے اس کے لئے جو سوٹ نکالا تھا اس کی کھینچ کی آستین پوری تھی، اس طرح اس کا پردہ تو رہی جانا تھا عارضی طور پہ، شجاع نے اپنے سامنے اسے ناشتہ کرایا وہ دن

ناں ہی کرتی رو گئی۔

مگر شجاع کی اہانتیت اور بھونسن خبری محبت کے آگے اس کی ایک نہ جانے کتنے کے بعد اسے میڈیٹیشن دے کر شجاع کو چھ سہوں ہوا۔

پھر ٹوپی سیدہ تائی نے لیا، چھوٹی چچی اور دیگر رشتہ دار سب ہی اس کے بیڈروم میں آئے ہوئے، ٹوپی بہت قلمند تھی۔

"نظر لگ گئی ہے میرے سلیمان کی دوڑیں کی، لگ بھی تو اتنی پیاری رہی تھی، روٹی بھی خوب ہوئی، مینہ چھوٹنے کا کم تو ہوتا ہے، تب ہی تو رات بخار چڑھا تھی۔" وہ اپنے ہاتھوں میں دیکھتے ہوئے تائی نے لیا، کو ماما رہی تھی۔

حرم کے سر میں درد ہو رہا تھا، پیٹے ٹوہن نے اس کی نظر اترا دیا اور پھر سب کو اس کے کمرے سے باہر لے گئی تاکہ وہ آرام کر لے۔

تب حرم نے کئی بار ان سب کے بارے میں سوچا، پوری کئی کئی قلمند تھی اس کے لئے، کی وہ بھی ایک دن اور صرف ایک رات میں کبھی کے لئے اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ اس کے لئے پریشان ہو جائے؟

رات کے بعد سے اب تک اس نے سلیمان کو پھر دوبارہ نہیں دیکھا، اس نے کل رات اپنے ساتھ جو کیا اس پہ اسے کوئی غامت یا شرمندگی نہیں تھی، بلکہ عجیب سی خوشی کا احساس ہوا تھا۔

"جب ہر خوش نہیں تو پھر کوئی اور کیوں ہو، جب ہمارے خیمہ میں کوئی خوشی اور امید کی کرن نہیں تو کسی اور کے ہاں اجالا کیوں ہو، شب چھین لوں گی، سب کے ہونٹوں سے مسکراہٹ، بیٹا عذاب بنا دوں گی، میں ایک اور آئندہ منزو، فری یا جانا نہیں ہوں گی۔" اندر دینی طاقت اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

مستحق دوا کے زیر اثر دو دو پیر کے بعد پھر کافی دیر سوئی رہی، رات کے کھانے کے لئے رہتا ہے اسے بھٹکل چکا، وہ یہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی ان کے خیال میں وہ بچہ بنے ماحول کی وجہ سے پریشانی کا شکار تھی، رات والا واقعہ ان کے علم میں نہیں تھا نہ ہی ان تینوں نے اتفاقاً متہرب تھوڑا کیا تھا، انہیں بس اتنا پتہ تھا کہ حرم کو بخیر ہے، وہ اسے اپنا خیال رکھنے کی بھرپور کوشش کر کے رخصت ہوئی تو اس نے سکون کا احساس لیا اور نیکی پر ہر کار فرست گئی، رات اسے دوا کے ساتھ دوائی لینے کی یاد دہانی کر دیا تو بچہ لی نہیں تھی۔

کافی دیر بعد سہیاں اپنے کمرے میں آیا تو حرم پریشان ہی ہوئی، وہ کوئی بات کہے بغیر کپڑے بدلتے دکھا، فریٹش ہو کر دوڑھوٹے پہ چاہیچا، اس کے اثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ پریشان ہے، حرم کو کہیں ہی خوشی کا احساس ہوا، اسے لگ رہا تھا کہ اس نے جس کھیل کا آغاز کیا ہے اس کا اختتام اس کی توقع کے عین مطابق ہو گا، وہ جین مٹانے پر بیٹھے بیٹھے سہیاں نے اپنے ایک دوست فرہان کو کال کی، حرم کی ساتھیوں ان کی طرف متوجہ تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" فون بند کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"پہلے سے ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"بازو میں درد تو ہوتا ہوگا؟"

"جی!"

"اور پانی زخم؟" سہیاں کا انداز دلچسپ سا رہا مگر حرم صبر کرتی تھی۔

"باقی تو کہیں بھی زخم نہیں ہے۔" اس نے صاف جھوٹ بولا تو سہیاں نے کندھے اچکا دیئے۔

"آپ آرام کریں طبیعت ویسے جی ٹھیک نہیں ہے آپ کی۔" بیڈنی ڈوبہری سائید چلی گئی تھی اس نے سڑک کے نیچے، گھر اور اس کی طرف کدوت لے کر ایٹ کیا، جرم کھسک کر بالکل دوسرے کونے پر ہو گئی، وہ چمہ سوچ رہی تھی۔

"مجھے شاید طبیعت کی خرابی کی وجہ سے خاص رہا تھا میں روتی رہی بعد میں یہ لوٹ جا۔ میرے ساتھ کیا کریں؟ کسی مصیبت کی وجہ سے نرمی برت رہے ہوں گے درنہ دن اتنا اپنا بند ہی رہا ہے جس۔" اس کی جگہ سہیاں کی طرف بے ارادہ دنگی، جو اس کی طرف پیٹھ کیے سو رہا تھا۔

"چلو دیکھتے ہیں کاش کیا ہوتا ہے۔" اتنی ایٹا پہ سوچتے سوچتے اسے بھی خند آئی۔

دو گھنٹہ پہلے میں تھک چکا تھا، پورے دن میں اسے دھمکنا تھا، کیف کافی بدستور تھی، وہ گھبراہٹ سے بے ہوش ہو کر آئے تھے، وہ تو کچھ دیر کے بعد چلے گئے مگر پانی اور جوتی رہے۔

سہیاں بھی اسٹیج پہ اس کے ساتھ بیٹھ سب کے شریعہ تھروں کا پرستہ جواب دے رہا تھا، حرم اس روز کے طرح آج بھی خاموش ہی تھی، فری اور مبادوں اس کے ساتھ تھی، سہیاں کے تاثرات سے کئی بھی ٹریڈ کا شائبہ تک نہیں تھا، صبا نے سکون کا سانس لیا، رہتا بھی حرم کے آس پاس ہی رہی۔

صبا بھی چوہدری ریاض کے ساتھ جلدی کر لوت گئی، فری ویسے کے بعد حرم کے ساتھ اس کی نسرال آئی، اور بعد میں یہاں سے اپنے گھر کی حرم کی نسرال میں سب کا وہ یہ فری کے ساتھ پھر پورے گھر کی لئے ہوئے تھا، شام کو اس

نے یاسر کو فون کیا کہ مجھے لے جائیں، اس نے مصیبت کا پہاڑ کر کے فون بند کر دیا، تب سہیاں، اسے گھر ڈراپ کر کے گیا، رات کے سارے آٹھ بج چکے تھے، یاسر گھر پہنچا تو اس کی بیوی فرح بھی آئی ہوئی تھی۔

"آج تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

چوہدری ریاض سہیاں کی طرف دیکھا تھا۔

صبا ہول سے گھبرا آئی تھی تب سے چوہدری اس کے حسن کے قسیدے پڑھ رہا تھا اور یہ قصیدہ۔ انجانی تحریز کا اس اور پادری قسم کے تھے، چوہدری کی قربت میں روز اول کی طرح اس کا دل اب بھی سہا ہوا تھا، وہ صبا کے ساتھ آج بھی لوٹ کے پال والا سب کر رہا تھا، نہ جانے کتنا وقت گزر گیا اذیت کے اس سطر میں جب چوہدری نے صبا کو دیا تب وہ اپنا آپ میٹ کر گئی، اور پادری نے اس کی توجہ سے ہٹا دیا، اس نے کچھ دیر ہی دیکھا، اس کے ساتھ آٹھ بج گئے۔

کتنی خوشی اور بڑک بدن ہی تھی وہ نرم و ملائم شفاف جلد ایک معمول سا بھی داغ دھبہ تک نہیں تھا، اس نے اپنے وہ حیا باز دونوں گودیکھا، جہاں چھوٹے چھوٹے دانے نکل رہے تھے، باقی جسم پہ بھی اسے کتنے ہی دانے نمایاں ہو رہے تھے۔

اسے کتنی ہی یاد یہ عیب سا احساس ہوا تھا کہ جیسے چوہدری اپنے اندر کی طاقت اس پہ اندیشہ کر اسے بھی اپنی طرح آلودہ کر رہا ہے کیونکہ ایسے دانے وہ چوہدری ریاض کے جسم پر بھی دیکھ چکی تھی۔

رات کے زہر سے رہنے ہیں  
صبح کے ہونٹ کتنے تھکے ہیں  
نیت پہ تیرے تیرے تیرے ہیں

پانیوں پہ ہوا کے نیلے تیرے  
ریزانی کا عذاب سہا ہے  
خوف سے سارے پیر نیلے ہیں  
دست خوشبو کرے مسیحا  
باخون گل نے زخم تھاپے ہیں  
غش سورج سے دو بھی غما ہیں  
خوشب جاہ کے دیکھتے ہیں  
خوشبو نہیں پھر چھڑتے جڑیں کہیں  
ابھی آجکل ہوا کے نیلے ہیں

فری گھر آتے ہی دوش روم کی طرف بھاگی، اسے شدید تھکی کا احساس ہو رہا تھا، کھانا پینا سب الٹ کر پھر آگیا، طبیعت اس کی کھٹی مینے سے ہی خراب تھی، ضروری کا احساس ہوتا اور پندر آتے، اس نے کتنی بار یاسر سے کہا کہ مجھے ڈاکر کے پاس لے جائیں جو اب وہ آج کل کر کے مالا لہی جا رہا ہے، نور پانچو کو بھی اس کی خاموشی پر اٹھیں، گویا گھر والوں کے نزدیک وہ کوئی بالکل ہی نئی زندگی نہیں تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" وہ دوش روم سے باہر نکلی تو غصہ حال تھی اوپر سے نور پانچو کے تیر بڑے کڑے تھے۔

"میں سہیاں بھائی کے ساتھ آئی ہوں وہی چوڑ کر گئے ہیں۔"

"ہونہب" اس کی سانس نے آٹھکلیں جھجھکیں۔

"ستے ہو یہ اپنے بہنوئی کے ساتھ آئی ہے، ہم مر گئے ہیں جو اس کے ساتھ آئی تم، کیوں نہیں ڈیکھ کر لیتی ہو، ہر ایک کے سامنے لوگ کیا کہتے ہوں گے۔" نور پانچو اشارت ہوئی تھی، وہ گھبرا گئی۔

"میں ایسی کوئی بات نہیں کہہ رہی تھی، یاسر کو فون کیا تھا انہوں نے کہا میں یہی بولی تھی



سیماں بھائی نے خود کہا کہ میں چھوڑ آؤں۔  
اس نے بیساحت کی مگر وہ کوئی بات نہیں سننے کو  
تیار نہ تھی۔

اوپر اوجھی آواز یہ سن کر پھر اور فرج بھی  
چلے آئے، اب صورت حال یہ تھی کہ وہ دوست  
ہوئے صفائی دے رہی تھی اور نور بانو مرتن برس  
رہی تھی اب تو پھر بھی شامل ہو چکا تھا۔

میں کہتی ہوں طلاق دے کر چلا کرو  
اسے، یوں یہ چونک تھمادی جان نہیں چھوڑے  
کی، پاس سے تو چند پوچھتا رہے سر ہل دیا اور  
سے بچر تھیں جس پہ فصل آنے کا دور دور تک  
امکان نہیں۔ نور بانو کے منہ سے طلاق کا لفظ  
سن کر وہ پری طرح نرم ہوئی، طلاق کا مطلب تھا  
دوبارہ وہی گھر میں جانا جہاں انور سلائی کے دن  
میں اس کے لئے وہی محبتیں تھیں جیسا کہ سے بہتر  
تھا وہ یہاں رہ کر نور بانو کی مسرت میں رہتی۔

میں میں یہاں سے نہیں جاؤں گی چوتھے  
یاسر مجھے طلاق مست دینا، میں تو کہانی بن کر زندگی  
نرا لوں گی مگر یہاں سے نہیں نہیں جاؤں گی۔  
اس کے لفظ غلط میں التجا تھی۔

میں تم سے تنگ آ گیا ہوں اب تمھیک بہ  
رہی ہیں۔

میں یاسر پلٹر ایسا مت کرو ورنہ میں  
اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گی۔

تو کہہ کر زندگی کا خاتمہ دے لے بھی تم سے یا  
تمھارے گھر والوں سے میں کیا سکھ لے ہیں۔  
نور بانو ہاتھ نچا کر بولی، آقا ان ہاں بیٹے کی  
آنکھوں میں اس کے لئے رحم کی کوئی رست نہیں  
تھی، فرج اس بنگلے کے عروسی پہ پہنچے ہی چلی  
گئی تھی۔

تمھیک ہے آپ کی خوشی کے لئے یہ بھی کر  
کتی ہوں۔ اسے اچانک ہی زندگی بے معنی لگنے  
لگی۔

تو کروٹاں کیوں نہیں کر رہی ہو۔ نور  
بانو کا انداز تحریک دلانے والا تھا۔

سدا کی بڑی فری بھاگ کر کچن میں تھکی  
اور سامنے چڑھنے کے پاس پڑی مائیس اپنی کر  
جانی، اس نے کچن کی جلا کر اپنے اندر بھینکی،  
اسے پہلے کہ وہ دوسری جلا کر یہ عمل دہرائی، یاسر  
بھاگ کر اس کے پاس پہنچا۔

بہت شوق سے تھیں مرنے کا ہے ہاں تو  
تمھاری یہ حسرت میں آج پوری کر دیتا ہوں۔  
یاسر نے مائیس سے دیا سلائی نکال کر وہی سے  
پٹروں کو آگ دکھا دی، وہ حیرت کی زیادتی سے  
وہیں گویا خمد ہو گئی، یاسر نے ساتھ ہی چوہا بھی  
کھول دیا، اس نے فری کو پکڑ کر جلتے چڑھنے پہ  
جھکا دیا، چوہا زمین پر پڑا تھا، وہی پٹروں اور  
فری کے بالوں نے فوراً ہی آگ پکڑ لی، اس کا  
سینہ اور منہ براہ راست آگ کی لپیٹ میں آ چکا  
تھا، اس کے چہرے یاسر کی طرف سے جھانک رہی تھی، فری  
نے چیخ ماری، اس کے سامنے پھرتے بل چکے  
تھے۔

یاسر نے باہر نکل کر کچن کے دروازے کو  
کڑی لگا دی، نور بانو نے سب کچھ اٹھائی آنکھوں  
سے دیکھا اور زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا،  
گویا وہ بھی بہ زبان غمش اپنی کی حمایت تھی، فری  
کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں، اس پاس سے  
لوگ صورت حال جاننے کے لئے ان کے گیت یہ جمع  
ہو کر دروازہ پھٹنے لگے، تب یاسر نے بھاگ کر کچن  
کا دروازہ کھولا، فری کی جدوجہد دم توڑ گئی تھی  
اور نور بانو گھر کا داخلی دروازہ بھی کھول دیا،  
پڑوسی اندر آ گئے، فری بے ہوش تھی، ساتھ والے  
مرزا صاحب نے فوراً اپنی گاڑی نکالی، فری کو ہسپتال  
میں لپیٹ کر گاڑی میں ڈالا گیا، یاسر اور نور بانو  
مرزا صاحب کے ساتھ ہی بیٹھ گئے، یاسر کے ابو  
شہر سے باہر تھے انہیں اس حادثے کا پتہ نہیں تھا۔

یاسر نے فری ہسپتال میں جتنے دیکھا، یہاں  
کا ایک ڈاکٹر اس کا کلاس فیلو رہ چکا تھا، تعلیم مکمل  
کرنے کے بعد دونوں نے مل کر زندگی میں آ گئے  
اپنی قدم رکھا تھا، یاسر کا وہ بہت گھرا دوست تھا اور  
ابھی تک یہ دوستی برقرار تھی، دونوں پہلے کی طرح  
ملتے جلتے تھے، ایک دوسرے کے گھرؤں میں آتے  
جاتا تھا۔

یاسر مرزا صاحب کو اس حادثے کے بارے  
میں بتا رہا تھا۔

میں ہاتھ رو میں تھم رہا تھا جب فری کی  
چیخوں کی آواز کی تب میں جیسے تیسے کپڑے پہن  
کر کچن میں پہنچا تو اسے آگ لگی ہوئی تھی مجھے تو  
کچھ سمجھ ہی نہیں آتی یہ سب کیسے ہوا، ہاں ابھی  
اپنے کمرے میں تھی وہی دیکھ رہی تھیں جب  
ایک ہم اس کے پاس پہنچے آگ اپنا کام دکھا چکی  
تھی، میں نے سہل اس کے اوپر چڑھنا، اسے میں  
آپ سے بھی کہنے، پھر اتو دانی و دماغ مار کر ہوں  
وہ سب کچھ اٹھائی آنکھوں سے دیکھا، نور بانو  
اپنی کچن کے دیسے پہ گئی وہاں سے واپس آ کر  
کچن میں کھانا مانے پہن گئی، منہ جانے آگ کیسے  
کی شاید پاس لپک کر رہا تھا، کچن بھی وہ جگہ سے  
شکایت کر رہی تھی کہ جب بھی چوہا کھولو گیس کی  
بو آتی ہے، مجھے کیا پتہ تھا یہ سب ہو گا ورنہ میں  
پاس پہن دیتا۔ یاسر کے الفاظ میں ہی جھوٹ یا  
ناہ بیانی کا شائبہ تک نہیں تھا، نور بانو بھی مسلسل  
آنسو بہا رہی تھی، مرزا صاحب نے گاڑی ہسپتال  
کے گیت پہ رو لی۔

یاسر نے راستے میں اپنے دوست ڈاکٹر  
زاہد کو فون کر دیا تھا، وہ اسی وقت ہسپتال میں ہی  
تھا، فری کو اسی وقت ایمر جی میں لے جایا گیا،  
باہر یاسر پریشانی کے عالم میں چل رہا تھا، فری کا  
بیان اسے بھائی کے جتنے تک پہنچا سکتا تھا۔  
"کاش فری مر جائے، ورنہ میں مارا جاؤں۔"

گا۔ اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی کہ نور  
بانو اسے زیادہ پریشان نہ کی، اس نے فری کے گھر  
والوں کوئی اطلاع نہ دینے سے منع کر دیا تھا۔

-----

رات کا کھانا حرم نے ان سب کے ساتھ  
ہی کھایا، ہوش میں بھی اس نے چند لقمے ہی لئے  
تھے، ابھی ابھی بھوک نہیں تھی مگر سب ہی باری  
باری اجرا کر رہے تھے اس نے اپنے دل سے  
تھوڑی سی برائی پلٹ میں نکالی اور کھانے کی  
دوسرے ہسپتال پہلے تھے مگر حرم سر جھکا کر  
کھانے میں لگی تھی، کھانے کے بعد حرم نے سب  
کو کمرے میں لے کر ملے۔

حرم حرم کی مسلسل خاموشی سے یہ سمجھ کر  
شاید وہ تنگ ہو گئی ہے، تب ہی انہوں نے حرم سے  
کہا کہ وہ حرم کو کمرے میں لے جائے، سیران  
گھر والوں کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

خارج اور حرم نے اسے کچھ نہیں پوچھا تھا،  
شاید وہ انتظار کر رہے تھے کہ سیماں نور ہی  
بولے، پھر دو دن ایسے کے انتظامات کرنے میں  
ایسے مزے کہ انہیں اکٹھا مل بیٹھنے کا موقع نہ ہی  
تھیں ملا، مگر آج سیماں کا دل کر رہا تھا کہ شاید  
بتا دے، باتوں باتوں میں کالی وقت گزر گیا، تب  
مما نے سیماں کو بھی اپنے کمرے میں جانے کو کہا  
اور ان سب کو بھی، مائیس کا اشارہ کیا، سیماں نے  
تھکے قدموں سے سیر حیاں چڑھنے لگا، اس  
روم اور حرم، اسی کا خیال تھا کہ حرم سو چکی ہو  
کیونکہ اس کے پاس خیمت کی خواہش کا  
جواز موجود تھا، سیماں کے دماغ میں جیسے آگ  
کی بھرنی تھی، سیر حیاں چڑھتے ہوئے سیماں  
نے کونٹ اتارا اور پیچھے ہٹتی ہوئی شرٹ کے کپڑے  
کھولے تھے۔

وہ سونے پہ بیٹھی اپنی کلاہوں کو بندھ کر  
رہی تھی ایسے کا جواز اس کے جسم پہ نظر نہیں  
پڑتا تھا۔

دہا تھا، بلکہ ہلکا سا ہلکا سویرا پہنے ہوئے تھی  
وہ پاس ہی سوتے کی چڑیاں اور تھیں دھڑے تھے  
تھا یہ اس نے ابھی ابھی امارے تھے کیونکہ باقی  
زیادہ بھی پاس ہی رکھا تھا۔

دوپہ بے پروائی سے جرم کے دائیں  
ٹٹانے پہ بھول رہا تھا اور باقی صوفے کی بیک یہ  
کھینچا تھا، سلیمان کو کچھ کراس نے فوراً دوپہ سر پہ  
لیٹنے کی کوشش کی، اس کوشش میں اس کی کالی سر  
روئی تھیں اٹھنے لگیں۔

سلیمان نے ہاتھ میں کھڑا کوٹ اور باقی  
صوفے پہ اچھالیں ساتھ ہی شرٹ بھی پھینچ پاؤں  
میں پہنے بیٹھ اور ساکس اچھے آئے اس نے  
ابھی تک حریف سے طبیعت کا نہیں پوچھا تھا، جب  
وہ بھولے پہ اس نے مقابلہ بیٹھا تو تب کوئی بار  
مزید گوزار لگا کیونکہ آج اس کے تیر گھر معمولی  
تھے۔

مزید بری طرح رو رہی تھی، کتنے تھکنوں  
سے اس کی یہی کیفیت تھی، آندہ پہلے اس نے  
پاس ہی گھبراہٹ سے بھلائی اور اڑاتے دینی وہ  
دھناتیں کر لی اس کی کمرورسی مان، اسے اپنی مان  
پہ آج بے تحاشا ترس آیا، سردی غرور ہر اور بچوں  
کے پیچھے لگ کر بولی رہی غصہ میں کمری رہی  
مالالت کی غلطیاں سکتی رہی مگر آج بھی انور سیالی  
کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں  
تھی۔

آج مزہ نہ پھر دورہ پڑا تھا اور تمام دنوں  
سے زیادہ شدید تھا، وہ پوری ٹوٹ سے گلا پھاڑ کر  
بیچ رہی تھی، جسم تکلیف کی زیادتی سے بری طرح  
جلی کھا رہا تھا۔

انور سیالی زور زور سے ہولتے مزہ کے  
پاس آئے، آندہ پہلے ہی چٹی کے پاس بیٹھی ہے  
اس سے دیکھ رہی تھی۔

”کیا تماشا لگا رکھا ہے اس نے، سمجھتی  
نہیں جو اس کو، جو کون کی طرح خون چڑی رہی  
ہے میرا، تک آئیں ہوں، موت بھی نہیں آتی اس  
مجھے، یا تم لوگ مر جاؤ یا میں، لیکن چھوڑا میری  
جان، زندگی عذاب بنا دی ہے میری۔“ وہ زور  
سے دھڑکتے تو آندہ سہم گئی۔

”انور صاحب طبیعت خراب ہے اس کی۔“  
وہ کمرورسی آواز میں دفاع کر رہی تھی۔

”خوب جانتا ہوں میں اس کی طبیعت کی  
خرابی کو، ڈھونگ رچا رکھا ہے، جان بھی نہیں  
چھوڑتی،“ وہ غصے سے جلتے تھکتے باہر نکل گئے۔

مزہ ان کیفیت میں بھی ان کا ہوا ایک ایک  
انگل خوب سمجھتی تھی خاص طور پہ غصہ کی حالت، جان  
بھی نہیں چھوڑتی، اس کے دل و ذہن و ہر بارہ  
آنے پہ ان کے کرب سے دوچار کر رہا تھا۔

جب اس کی طبیعت سمجھ گئی تو وہ خوب بولی،  
اس کے ساتھ آندہ بھی کمری میں آئی، وہ انور  
کے خب توہوں کی خبر دیاں لگا دینے کے بعد غصہ  
میں تھے مگر مزہ کا سکون نہ رہتا ہوا تھا، مزہ

ذہنی کا ایک ایک لی اس کی یادوں میں محفوظ تھا،  
اس ذہنی سک کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جو انور  
گیلائی کی محبت و شفقت سے معمور ہو، اب  
شہت سے اسے ہی داناں ہونے کا احساس ہوا۔  
آندہ اسے موت سمجھ کر جا چکی تھی، لیکن پانی  
مزہ کی آنکھوں سے آندہ چھوڑتی سے بچنے کو نہ  
لگا، جب اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی آنکھوں

میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے تب وہ اپنے بھڑت  
حوصلوں کو جمع کر کے آگئی، اسے بہت شروع سے  
ہی ڈائری لکھنے کی عادت تھی، اپنی زندگی کا ہر اہم  
واقعہ اس نے ڈائری میں قلم بند کر رکھا تھا، وہ آج  
کے دن کے بارے میں لکھنے لگی، لکھنے کے بعد  
اس نے ہنسنے لگا، لکھنے کے بعد نہ رہی۔

پھر وہ اپنے کپڑوں کی امدادی کی طرف کی

اور وہاں سے اپنا دوپہ نکالا، یہ وہی دوپہ تھا پر  
سوٹ کے ساتھ کا جو شادی کے بعد اس نے پہنی  
پار پہنا تو جو اپنے دل کھول کر تعریف کی تھی، اس  
کے بعد اس نے کتنے ہی سوٹ پر پٹنگ کر میں لائے  
تھے، وہ وقت و آنے پہ ایک روٹ کی مسکراہٹ  
لیوں کو چھو گئی، کبھی کبھی دوپہ اوڑھنے پہ جو اپنے  
طریف سے تعریف کی صورت میں اسے بہت خوشی  
ملی تھی، اب یہی دوپہ اور وہی بہت بڑے  
سے دوچار کرنے والا تھا، اس نے وال کاک پہ  
لگا دوڑا کی جذبات کے ڈھانچے کے کاغذ ہمارا  
تھا، دیوار کے ساتھ بھی کمری اتھا کر اس نے  
کمرے کے وسط میں رکھی، پھر پر پٹنگ دوپہ اوڑھ  
کر آخری بار خود کو آٹھنے میں دیکھا، وہ دوبارہ  
کمری کی طرف آئی اور اسے اتھا کر اپنے پیچھے  
پانچ درمیان میں رکھا، اسے یقین تھا یہ رہیں  
دوپہ اتھا منسوب ہے کہ اس کی زندگی کی ساری  
کمزوریاں اور غم و غماں اسے اندر چھپا لے گا،  
اس کا یہ یقین اتھا لے جا بھی نہیں تھا، وہ اپنے  
چائیس بہت دور ہے تھے۔

مگر نہ کہ لئے اب تو سوئی کی سوئی ہی  
مستوم شیرا دیاں رو  
خیند چنتے ہوئے ہاتھ ہی تھکے ہوئے  
وہ بھی جب آندہ کی سوتیلیں رو  
وہ ہوا تھی کہ کے مکانوں کی چست  
بڑی اور کھیں لا پتہ ہو گئے  
اب تو موسم کے ہاتھوں خزاں میں  
اڑنے کو بس خواب کی چٹاں رو  
شہر میں ہواؤں نے چاروں طرف  
اس قدر دھکی بھال پھیلا دیے  
تھر تھراتے پردوں میں شکست اتر رہی  
ہیں ہوئے تھنیاں رو  
اچھی شہر کے اوپس شام ڈھانے لگی  
پر سے اسے جو آئے گئے

جتنے ٹھنوں کی بھیجی ہوئی براہ  
پر بال کھولے ہوئے تھیاں رو

حریف کو اس کی خاموش بھیجیوں سے  
غیر بہت ہون شروع ہوئی، وہ بول کچھ بھی نہیں  
رہا تھا۔

”میرا خیال ہے اب آپ تمک ہیں پہلے  
ہے۔“ بہت دیر بعد وہ بولا تو حریف کی پریشانی  
ہوئی۔

”میں اس رات والی آپ کی حرکت سے  
بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“ اب کی بار وہ ب  
ابھی تنہید و گف رہا تھا۔

”میں آپ کو بتانے کی پابندی نہیں ہوں۔“  
اس کے لہجے میں بے خبری تھی، اسے یہ تھا کہ  
اس نے پہلے مرحلے پر ہی کمرورسی دیکھائی تو یہ پتہ  
اس کے خلاف چلے گی۔

”میں گھبراہٹ میں جانے کا حق رکھتا ہوں۔“ وہ  
اٹھنے لگی تھی جب سلیمان نے اس کے کندھوں پہ  
ہاتھ کا دباؤ ڈال کر رکھا دیا۔

”میں نے کہا میں پابندی نہیں ہوں اور  
اگر آپ نے زبردستی جاننے کی کوشش کی تو میں  
کچھ گڑبالیوں کی۔“ وہ اسی پرانی کیفیت میں اتر  
آئے لگی، جس کیفیت میں اس نے خود کو افسانہ  
پہنایا تھا مگر اس بار وہ غلط نہیں تھا۔

”اوہی آواز میں مت بولنا اور کیا کر رہی  
ہو۔“ سلیمان نے اس کے دونوں کندھے ہتھ  
لگے۔

”میں مر جاؤں گی۔“  
”کیسے؟“ سلیمان کا انداز تسخیرانہ تھا۔

”اس دن تمہارے پاس چھری تھی، آج کیا  
ہے؟ اب سمجھا تم لڑکیاں بڑی ذہین ہوتی ہو۔“  
اس نے حریف کا دوپہ اس کے وجود سے الگ  
کر کے دور اچھال دیا، وہ تڑپ کر مڑی، تو یہ

گروں کا پچھلا حصہ اس کے سامنے تھا، حریم کے کپڑے رخنہ سے ہی ٹیلے سے سلائے تھے اس وقت بھی وہ جو سوٹ پہنے ہوئی تھی اس کا پچھا اگلا جدید فیشن کے مطابق کافی گہرا تھا، حریم کی سفید جلد پر سرخ نشان واضح نظر آ رہے تھے۔

رہنا بھاگنے بنے بتایا تھا کہ تمہارے جسم پر بچوں کے نشان ہیں، کچھ تو میں دیکھ چکا ہوں، یہ کیسے آئے ہیں؟ اس نے حریم کے کندھوں سے باز رہتا لٹے تھے، فطری طور پر وہ رخیل تھا کچھ اس کی حالت کا بھی احساس تھا سوائے کچھ دیر پہلے کا جسے بھول گیا، اسے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی، اس کے بند روم کے دروازے پر دستک دینی، سلیمان نے دروازہ کھول دیا، اس دوران وہ دوپٹہ اوڑھ چکی تھی، آنے والی رختا اور ٹوپی۔

”حریم تم نے کپڑے تہذیبی کرنے ہیں تو کرو اور باہر آؤ۔“ دونوں نے ایسا سنجیدہ لہجہ لگایا ہوا ہے؟“ اسے کسی غیر معمولی صورت حال کا احساس ہوا۔

”کچھ خاص نہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بس ہاسپٹل جاتا ہے۔“ رختا بولی۔

”دون سے ہاسپٹل میں کیوں جانا ہے۔“ اس کے دل نے ایک ہیٹ سس کر دی۔

”تمہاری سسر فری ہے، یاسر صاحب کا فون آیا تھا کہ تمہیں بتا دوں، ہم سب بھی تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔“ رختا جواب دے کر نیچے چلی گئی، حریم نے ان کی پتروں پر ہادر اوڑھی، اسے میں سلیمان بھی سچ کر کے گاڑی اشارت کر چکا تھا۔

فری کا چہرہ کھل طور پر چکا تھا، سارا وجود سفید پٹیوں میں ڈھکا تھا، جب ڈاکٹر نے یاسر کو بتایا کہ اب یہ چند گھنٹوں کی مہمان ہے تب

نور پاؤں نے کہا کہ اس کے گھر والوں اور دشمن داروں کو بتا دو۔

چونکہ اس ہاسپٹل میں یاسر کا دوست تھا اس وجہ سے پولیس اس نہیں بتا تھا، دوسرے یاسر نے کہا تھا کہ یہ خود ہی ملے گی۔

دو دن بعد سے دور جا رہی تھی مگر اسے ذہنی تلاش رہی تھی، فری پچاؤ سے فیصلہ نہیں لے سکی اور اب کوئی بخیر ہی اسے ذہنی دلا سکتا تھا، یاسر نے پہلے فری کے والدین کے گھر فون کیا کہ فری ہاسپٹل میں ہے آپ لوگ آج بھی اس کے پاس نہیں جانا تھا کہ فری جلی جلی ہے، یاسر اب ذہنی کی آخری خبریاں چل رہی تھیں، یاسر نے اتنا ہی کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ آج بھی جائیں۔

انور گیلانی اتنی رات بچے فون آنے پر یہ سمجھتا تھا، انہیں صورت حال کی سنگینی کا احساس نہیں تھا۔ ”ذرا سی طبیعت خراب ہونے پر بچے فون کرنے کی کیا تکلف ہے۔“ آمنہ نے انہیں شہید کتاں لگا ہوں سے دیکھا اور احد کو اٹھانے لپس، وہ بیدار ہو گیا۔

”ابو آپ بھی چلیں یا سر بھائی نے ایسے ہی فون نہیں کیا ہو گا۔“ وہ گاڑی اشارت کر چکا تھا انہیں بھی چلنے کا کہا۔

باؤل درخواست وہ بھی آمنہ سمیت اس کے ساتھ بیٹھ گئے، شیراز سوراہا تھا جب احد نے اسے اٹھا کر بتایا تو اس نے کہا۔

”میں سچ آ جاؤں گا تم لوگ بیٹے جاؤ۔“ آمنہ نے منہ کو بھی نہیں جگایا، انور گیلانی کا موڈ دیکھ ہی خراب تھا، ہاسپٹل پہنچنے تک ان کے دل میں برے برے خیالات آتے رہے، جاسے فری کو کیا ہوا تھا اچانک ہی جو وہ ہاسپٹل ایڈمٹ تھی۔

پہلی ماہ جانی تو اس حال میں دیکھنے کا اس نے تصور تک نہیں کیا تھا، اس کا خوبصورت لکڑی سے بنایا چہرہ جل کر ناقابل تلافی ہو چکا تھا، وہ لڑی لڑی تھی انرا سے فری کہا جاسکتا، شیشے کی کھڑکی سے چہرہ اٹکائے حریم بھی چلی، آنکھوں سے دیکھنے جا رہی تھی، ڈاکٹر نے کسی کو بھی اندر نہیں جانے دے رہے تھے، شیشے کی کھڑکی کے دیوار بن گئی تھی اس کے درخیزی کے درمیان، صبح کے ساتھ سے تین کا وقت ہو گا جب ڈاکٹر نے فری کا چہرہ سفید چادر سے ڈھک دیا، یہ اس امر کا اعلان تھا کہ فری ابھی سفر گودا نہ پہنچ چکی ہے۔

ابھی فری کی موت کا انہیں یقین بھی نہیں آیا تھا کہ شیراز نے انور گیلانی کو فون کر کے یہ روت روتا خبر سنا کی کہ منہ آتی نے خودی کر لی ہے، آمنہ جب گھر پہنچی تو گھر والوں سے بھرا ہوا تھا۔

رحمت، قارون، ان کی بیویاں، اولادیں، سلیمان کے گھر والے سب بھی چلے گئے، شیراز نے انور گیلانی کو تفصیلات بتا دی تھیں۔

”مجھے تو برائی نے بتایا کہ بی بی جی دروازہ نہیں کھول رہی تب، میں خود گیا اور کافی دیر تک وہی گھر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا، تب ہم نے میز پر چڑھ کر دروازہ کھولا اور اندر چھاؤ کا تو خود آتی چلنے سے جھوٹی نظر آئیں، مجھ میں تو ہمت ہی نہیں رہی اور دیکھنے لگی۔“

دو جوان بیٹیوں کی المناک موت نے آمنہ کو سب صبر و قرار چھین لیا، وہ صدمے سے ذہنی توازن ہی کو نہیں دیتی تھی، فری کا جنازہ منہ سے پہلے نکلا، شہر کو منہ کو بھی سپرد خاک کر دیا گیا، احد ضابطہ حریم کو گلے لگا کر رکتی دیکھا، گھر میں کسی کی کا احساس ہو رہا تھا اور یہ کی گھر میں چپ چپ رہنے والی منہ رہی تھی۔

حریم باپ کے گلے نہیں لگی اور نہ اسے کسی

کوئی خبر نہ تھی، آمنہ بھی بیٹکی باتیں کر رہی تھی، کبھی کبھی روئی، وہ بیوٹی کی سرحدوں سے دور جا چکی تھی، ٹوپی اور رختا ان سب گھر والوں کی تسلی اور دلا سے دے رہی تھی، سلیمان، سعید اور شجاع مردوں کی طرف تھے، ٹوپی اور رختا رات کو انور صاحب کے گھر ہی رہیں۔

سارا دن وہ بھاگ دوڑ میں تھی رختا، ہاتھ کسی اپنے کی طرح، خاص طور پر رختا اپنے چھوٹے سے بچے سمیت سب کاموں کو جی دیتی رہی، شجاع نے آمنہ کو بہنا پھنسا کر دوائی دینی، اس کی ذہنی حالت ابتر تھی اور دیکھا ہی نہیں جا رہا تھا، مسکن دوا کی وجہ سے آٹھ بولی، اس کے بعد ہی شجاع گھر واپس گیا، وہ سب کسی اپنے کی طرح ان کا خیال دیکھ رہے تھے اور دیکھ بھی نہ رہے تھے، جہاں کھانا ہی نہیں کھا رہی تھی، سلیمان نے تین دن کر کے اسے چند ٹونے کھائے۔

”خود کو سنبھالو مجھے پتہ ہے آپ سب کا ٹم ٹم پڑا ہے، میرے الفاظ ادا نہیں کر سکتیں گے، مگر یہ آپ کی آزمائش ہے اور آزمائش ہمیشہ بیداری چیز کی ہی کی جاتی ہے۔“ سلیمان کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا، جہاں دوبارہ جی بھر کر روئی، سلیمان نے رونے دیا تھا کہ اس کا دیکھ آؤ، وہ اس کے ماتے بہہ جاتے، اسے شدت سے پتہ بوری ریاض کی غیر موجودگی کا احساس ہوا، جہاں اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا، منہ کی میت جب لے جانی تب بھی وہ نہیں دکھائی دی۔

صبح سے سلیمان اور اس کے گھر والے ابتر تھے، خود بوری ریاض کو تو جھٹک بھی نہیں دکھائی دی تھی۔

حریم منہ کے کمرے میں تھی، سلیمان کسی کے کچھ چلے بیٹنا چاہتا تھا، وہ باز کی لڑکی تڑپ کر رو رہی تھی اور فریادیں گویا آسمان کا سینہ شکن کر رہی تھی، اسے اس طرح یہ ٹوٹ کر رہے

دیکھنا اس کے لئے کوئی اچھا تجربہ نہیں تھا، دل پہ  
پوچھ لئے رات گھر واپس آیا تھا، سما اور بھانجی  
ابھی ان کے ساتھ پایا بھی تھے، سلیمان سونے  
کے اردو سے تھکا تو تھکا ہی رہ گیا۔

دو غری اور جیا کی اچانک موت کے بارے  
میں سوچ رہا تھا، وہ ان دونوں بہنوں کے لئے  
غیر وہ تھا، سلیمان رشتوں کو جھٹکے اور باپ دینے  
والا تو وہاں تھا، یہی وجہ تھی وہ اس پورے گھرانے  
کا دھاپے دل میں محسوس کر رہا تھا۔

فل کے موبیل پر بھی ان کی ساری فیسلی ہر  
کام میں پیش پیش تھی، چوہدری ریاض بھی آیا تھا،  
صبا کی اسے ملاقات یاد آتے جیت نہیں ہوتی وہ  
اس تھوڑی دیر کے لئے آیا اور چلا گیا، اس کے  
ابند میں واسطے جوڑے پہ تھیلی محسوس کی جا رہی تھی  
انور گیلانی پریشانی کے باوجود محسوس کیے بغیر وہ نہ  
سکے، پہلے وہ جیسا کہ چند گھنٹوں کے علاوہ سکے  
چھوڑا بھی نہیں تھا، اب فل کو بھی دس روز گزر چکے  
تھے، اس کے بعد اس نے شکل نہیں دکھائی صبا  
کھٹک سی گئی تھی۔

سلیمان روز ہی پھر رگڑتا تھا، حریم کو اس  
ساتھ آتی، مخاطب کرنے یا ہونے کی بھی نوبت  
ہی نہیں آتی، حالانکہ وہ اس کا دکھ بیانا چاہتا تھا، نہ  
جاسکے کیوں وہ اتنی اجنبی اور سرد مہر تھی، جب سے  
اس کی زندگی میں آئی بھی حیرتوں سے دوچار کر  
رہی تھی، مارل کر کے اس سے بالکل الگ تھلگ  
رو بہ اپنا لے، اس کا یہ رویہ سلیمان کے بالی گھر  
والوں سے بھی نہیں تھا، او مہر بیگم اب بچھن محسوس  
کرنے لگی تھی، سلیمان کی شادی کے فوراً بعد ہی  
غری اور منزہ والی فریادی ہوئی تھی وہ تو جی بھر کر  
دل کے ارمان بھی پورے نہ کر پائی تھی۔  
حریم منزہ کے کمرے کی حفاظت کر رہی تھی،  
پیار سے ایک ایک چیز کو جھار پوچھ کر رکھا، اسے

کمرے کے ایک ایک کونے میں منزہ آپنی فی  
خوشبودر تھی یہی محسوس ہو رہی تھی، آخر میں وہ اس  
کے پیروں کی الماری کی طرف آئی، جی دیر ایک  
ایک سوٹ پہ ہاتھ پھیرتی رہی۔

جیسے منزہ کا کسی تازہ ہوا، اس نے غصے سے  
سلیٹ سے ہر چیز دھکی دھکی، پچھلے دنوں میں چھوٹے  
پین اور ایک ڈائری پڑی تھی، اس نے کچھ تر  
کاغذوں کے نیچے سے نکال، محسوس ہے سب یاد  
بھلا دیا تھا، وہ کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے لگی، اسے خبر  
ہی نہیں ہوئی کہ سب پڑھتے پڑھتے اس کی  
پٹکلیں ختم ہونا شروع ہوئی وہ بچ بچ تھیں۔  
پڑھ رہی تھی، ایک عجیب کھول تو اس کے درمیان پڑ  
کاغذ تھپکایا رکھا تھا، اس نے کھول کر پڑھنا شروع  
کیا، وہ ایک خط تھا جو اس نے اپنی خود شادی  
رات تحریر کیا تھا، حریم کی آنکھوں کے آگے بھند کی  
چادر تھیں چٹکی منزہ نے لکھا تھا۔

پھر کے پیار سے لکھا تھا، آپ نے مجھے  
رہیں، زندگی میں میری ساری باتیں سنیں  
کہ آپ سے مخاطب ہو کر دل کی بات کر سکوں  
آج اس کا غذا اور قلم کا سہارا لے رہی ہوں۔  
میں آپ کو بہت پیار کرتی ہوں آپ کی تمام باتوں  
خفیتوں کے باوجود آپ میرے آئینہ ہیں رہے  
جب سے بوش سلجھاؤں میں ایک حسرت ہے  
بار بار اٹھنا کہ آپ کی گود میں سر رکھ کر آپ سے  
بچوں کی طرح لاڈ اٹھاؤں، آپ سے پہلے  
چھوٹی باتیں کروں، اپنے سکون کی باتیں، بچپن  
کی باتیں، اپنی دوستیوں کی باتیں، آپ میرے  
رذلت پے انکسول میرے ساتھ جا میں، میرا ہر  
دل کرتا ہے آپ ایک بار مجھے بیٹھے سے لے کر  
میرے ماتھے پہ پیار کریں اور صاف ایک بار  
"میری جی" کہیں جی نے بچپن سے لے کر  
تک آپ کا ہر حکم مانا ہے، آپ بہت بار  
رہے کہ تم لوگ مر جاؤ میری جان چھوڑ دو، تو

آپ مجھے ختم بھی کر آگے نہیں پڑا، اب جی میں اللہ سے  
کہوں گی کہ اس زندگی میں نہ ہی ملے اس زندگی  
میں آپ کو مجھ سے ملائے اور سب میں بھاگ کر  
آپ سے بیٹھے سے لے کر جڑوں میں اب جی میں تو  
گناہگار ہوں بھلا کیسے لں پاؤں فی آپ سے،  
آپ میری مغفرت کی دعا کرنا، کمرے کے  
تالے؟

آپ کی اپنی منزہ گیلانی!  
بیٹے تارن پور وقت لکھا تھا، جس منزہ کو  
سب بیمار اور وقتی طور پر گھر رکھتے رہے وہ اتنی  
گہری لٹکی، اتنی بزرگ خیال اور اتنی حساس  
اس نے تسو بھی نہیں کیا تھا۔

ڈائری کیا تھی اس کے دل کی داستان تھی،  
اس کے وجود اور دل پہ لگے سارے زخم اس کے  
جان ڈائری سے بھاگتے رہے تھے، بہت دیر گزر  
گئی اس عالم میں کہ سب اسے ڈھونڈنے اور رکھنے  
آئی، شہت تو یہ ہے حریم کی، کبھی سوچتی ہوئی  
تھی۔

تھیں ہوا سے چھلکا کے استے دوڑوں  
شائموں سے پڑا لیا تو اس نے سامنے دھرت کھڑا  
کی طرف اشارہ کیا، اسے پڑھنے کے بعد صبا کی  
حالت بھی مختلف نہیں تھی۔

یہ اب وہ دے آواز بھی پڑھ لیں۔ بہت  
زیادہ تنفر تھا اس کے لہجے میں۔  
"تھیں رہے دو وہ پریشان ہوئی تھے۔" صبا  
نے اٹھا کر کیا۔

وہ پہلے سب پریشان تھے جواب ہوں  
میں نہیں میں زندگی بھر اچھن، صاف نہیں کروں  
گی۔ ایک بار پھر وہ سسک اٹھی تو صبا نے اسے  
گھسے لگایا۔  
"وہ بارے ابو جی حریم۔"  
"میرے نہیں ہیں۔" صبا سن ہی ہوئی، یہ کیا  
کہہ دیا تھا اس نے، اتنی نفرت اتنی ناراضگی، وہ

سرمجکڑ کر بیٹھ گئی۔  
حریم نے خود ابو کے کمرے میں منزہ کا کچھ  
ایسی جگہ رکھا کہ فوراً ہی نظر پڑ جائے اور ایسا ہی ہوا  
تھا، انور گیلانی نے وہ خط پڑھ لیا تھا۔

منزہ کو آخر دوبارہ زندگی میں پائی تو یہ منہ  
دیکھ کر مارے خوشی کے اس کا دل بند ہو جاتا، اس  
کے اب جی اس کے ہاتھ کے ٹکٹے دیکھ کر آنکھوں کی  
طرز چوم رہے تھے اتنی رات انور گیلانی پہ قاف  
کا ایک ہوا، ساری عمر بیٹیوں کے ساتھ گئی جانے  
والی زیادتیوں کو وہ سہا نہیں پائے تھے، منزہ نے  
ان کے سامنے آئینہ رکھا تھا، اس آئینے میں انہیں  
اپنا آپ بڑا دکھ رہا اور گھٹیا لگا، اپنے اس روپ نے  
سینے میں دل کو گویا سسل ڈالا۔

انور گیلانی کا بچپن دھڑلای کی وجہ سے بیکار  
ہو گیا تھا، اس دن سے زیادہ وہ باپ کی جگہ  
رہے تھے، اب وہ صرف بستر اور ڈنیل چیئر کے  
بچے کو لہر دے گئے تھے۔

بھارا سارا دن وہ کمرے میں پڑے رہتے،  
سیراز اور احمد گھڑی دو گھڑی کے لئے آتے اور  
رہی طور پہ ان کی غیریت دریافت کر کے اپنی اپنی  
دھ لیتے، اپنے میں ایک صبا کی جی جو اولاد ہونے  
کا حق ادا کر رہی تھی، چوہدری ریاض منزہ کی  
ڈیوڑ کے بعد سے اسے اب تک لینے نہیں آیا  
تھا۔

احمد دوبارہ انور گیلانی کے کہنے پر چوہدری  
ریاض کا پتہ کرنے اس کے گھر گیا تھا، دونوں بار  
وہ نہیں ملا، البتہ اس کے ملازم نے کہا کہ صاحب  
بہر گئے ہیں جب چاہتے ہیں بیٹے عرصے کے  
لئے ہی جاتے ہیں پتہ نہیں کب آئیں گے، انور  
اس لئے بھی پریشان تھے کہ چوہدری ریاض صبا کو  
بھی چھوٹا بڑا نہیں گیا تھا، صبا کے جسم پہ موچو  
دامنے بڑے گئے تھے، اور اب ان میں ہینپ پڑنا  
شروع ہوئی تھی، وہ تین چار بار ڈاکٹر کے پاس جا

پہنچ گئی، وقتی طور پر آرام آنا اور پھر وہی تکلیف شروع ہو جاتی، شاداب رنگت والی عبا پہناتی نہیں جاتی تھی۔

جب سے انور گیلانی ماسپتال سے گھر آئے تھے، حریم ایک بار بھی ان کے کمرے میں نہ گئی نہ حال پوچھا نہ کسی بھی وجہ سے وہ ہاسپٹل ایڈمٹ تھے تب بھی حریم انہیں دیکھتے نہیں تھی، اس کا زیادہ وقت آمنہ کے ساتھ گزارتا، ان کا علاج چل رہا تھا اور وہ بڑی باتا بندی کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

ثوہیدہ اور سعید دونوں متکبر بیٹھے تھے، سلیمان کی شادی کو ڈھائی ماہ گزر چکے تھے اور حریم ان کی چھٹی ماہ کے دوران صرف تین دن سسرال رہی تھی، جب سے منہ بول گیا وہ جھ ہوتی تھی وہ تب سے گھر واپس نہیں آئی تھی، پہلے منہ بول کی جواں موت پھر انور صاحب کے فانی کی وجہ سے وہ لوگ چپ رہے لیکن اب تو وہ بھی گھر واپس آ چکے تھے، زندگی کے بندھے معمول کے مطابق چلی رہی تھی، اب تو حریم کو واپس آنا چاہیے یہ ان دونوں میاں بیوی کا فیصلہ تھا۔

دوسرے روز وہ انور گیلانی کے ہاں پہنچ گئے، حریم گھر پہنچ گئی بلکہ تایا رحمت کی طرف گئی ہوئی تھی، وہ ساتھ آمنہ کو بھی لے گئی تھی تاکہ گھر سے نکل کر ان کی طبیعت فریض ہو جائے، صبا نے بہت اچھے طریقے سے خاطر مدارات کی۔

”ہم تو حریم کو لینے آئے تھے۔“ ثوہیدہ نے آنے کا مدعا بیان کر دی دیا۔

”آج تو وہ تایا کی طرف چلی ہوئی ہے، دو تین دن تک میں اور احمد بھائی خود اسے چھوڑ جائیں گے، یہ آپ کی اپنی طرف سے چواتے ہیں سے وہ یہاں ہے ورنہ آج کس کوئی کسی کا اس طرح خیال نہیں کرتا، حریم ہم سب میں سب سے

زیادہ حساس اور ہر بات دل پہ لینے والی ہے، پھر ابو کی طبیعت بھی شروع سے ہائی تھی تائی سے مختلف رہی انہوں نے ہم پر زیادہ توجہ نہیں دی، حریم نے اس بات کو بہت زیادہ محسوس کیا اور دل پہ نیا اوپر سے فرق اور منہ آئی، وہی فریضی نے اسے شادی جیسے مضبوط بندھن سے بھی کبیدہ خاں کر دیا، آئی اور انکل آپ نہات لے آئی ابو کی طرح ہیں اس وقت پہنچے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔“

حریم بڑی خیر فوٹی بکھری ہوئی سے وہ فری اور منہ آئی کی موت کے ذمہ دار بھی ابو کو گھبرا رہی ہے، وہ انتہا پسندی کی انتہا پہنچی موت میں سوچ رہی ہے۔

”مجھے اسے ٹوٹے اور سمجھنے سے بچانا ہے اور یہ کام میں آپ اور سلیمان بھائی کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتی ورنہ اس کی سوچ کا ڈبر نہیں ایک دن جان ہی نہ لے لے اس کی۔“

”اللہ نہ کرے جو حریم کو کچھ ہونے لگے تو میں اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھوں کیونکہ حریم کی غیر موجودگی میں وہ سلیمان کی آنکھوں میں اس کی محبت کے جتنے دیئے دیکھ چکی تھی، کم از کم ان امیدوں کے چراغوں کو بجھتا دیکھنا ان کے لبوں میں نہیں تھا۔“

چوہدری ریاض کا فون آیا تھا، وہ وہی تھا، اس نے فری سے معافی مانگی تھی اور کہا تھا کہ وہ اب اسے گھر واپس نہیں لاسکتا، یہ سنا کر بھی وہ سمجھ گئی، چوہدری ریاض نے انور گیلانی کو بھی یہ خبر سنا دی۔

چوہدری ریاض اپنے باپ دادا کی تمام پر اپنی کا واحد وارث تھا، اس کے بعد اس کا کوئی اور بھائی پیدا ہی نہیں ہوا۔

تعلیم سے اسے خاص لگاؤ تھا، نہیں چاہیے اس نے زمینداری سنبھال لی، کم عمری میں ہی

زندگی اپنانے سے وہ وقت سے پہلے ہی تجربہ کار نور چٹاک ہو گیا، ساتھ ہی وہ سٹوڈنٹس عورت کی کھلت بھی لگا دی، چوہدری ریاض کو یہ دنیا بڑی انوکھی لگی۔

ہر روز ان کے ساتھ ٹی لڑکی ہوتی، اس کی ماں اس کی شادی کی حسرت لے لے لے اس دنیا سے چلی گئی، چوہدری ریاض شادی کا سرے سے فائل ہی نہیں تھا، رنگ رنگ کی عورتوں کو برت چکا تھا، اس معاف نے میں وہ بہت بال اور جانا جاتا تھا، قائل نہیں تھا، اس انتہا پسندی نے ایک دن اسے پرانا لے لی۔

وہ ایک پوشیدہ بیماری کا شکار ہو گیا تھا، بہت جلد اس کے دوستوں کے ذریعے یہ بات اس کے باقی حلقوں تک پہنچ گئی، اب تو لڑکیاں اس کے قریب آتے ہوئے بھی ڈرنے لگیں، وہ چالیس سے اوپر کا ہو رہا تھا مگر آتش فشان سرزد ہوئے میں نہیں آتی تھی، وہ باور میں نہ لے پاتا تھا، جب اس نے ایک چھری دانست لے لے لے اور گیلانی سے ملوایا اور ساتھ ہی یاسینو دینا بھی بتایا۔

چوہدری ریاض اب شادی کرنا چاہتا تھا، بہت جلدی اسے اندازہ ہو گیا کہ انور گیلانی کے یہاں بات بن جائے گی، اس نے انور گیلانی کے برائے نہیں بھاری سرمایہ انویسٹ کر دیا، ساتھ ہی نواز شات کی ہارٹ کر دی، اس نے چند دن میں ہی تھنٹ ٹیک دیئے، صبا بیوی بن کر اس کے گھر آ گئی، پہلے دن ہی اسے پتہ چل گیا کہ یہ سودا بڑا نہیں ہے، حسابم عمر جوئے کے ساتھ دنیا کے سرور فریب سے بھی نا آشنا تھی۔

چوہدری ریاض نے انویسٹ صبا سے وصول کی، کچھ ہی عرصے بعد صبا کے جسم پر وہی دانے آنے شروع ہو گئے جن سے وہ اپنی طرح واقف تھا، اس کی وہ پوشیدہ مہووی بیماری صبا میں بھی مڑا سفر ہو رہی تھی، چوہدری ریاض اپنا

علاج تو کروا رہا تھا مگر وقتی آرام کے سوا کوئی اثر دیکھنے میں نہیں آ رہا تھا، اسے کسی نے بتایا تھا کہ انگلینڈ میں بہت اچھا ڈاکٹر ہے اسے علاج سرائے، اسی دوران صبا کی دونوں بہنوں کی ایک ساتھ وفات ہوئی تو اس نے موقع غنیمت جانا، صبا کے گھر گئی وہ انگلینڈ چلا گیا، جانے سے پہلے اسے امید تھی کہ وہ اس بیماری سے چھٹکارا پائے گا مگر وہاں علاج کرواتے ہوئے وہ اس حقیقت کو جان گیا کہ کوئی ڈاکٹر نہیں ہے، چنانچہ اس نے صبا کو کھد دیا کہ وہ آزاد ہو سکتی ہے۔

اس نے تو اپنے باپ کی حکم عدولی کا سوچا بھی نہ تھا، چوہدری ریاض سے شادی کی ٹروی گولی اس نے ابو کے لئے ہی لگی تھی، مگر اس کی قربانی رائیگاں ہی گئی، چوہدری ریاض نے اسے طلاق کے کاغذات پیشوا دیئے، ساتھ گھر اس سے صبا کے نام کر دیا تھا، طلاق نامے کے ساتھ ملکیت کے کاغذات بھی تھے۔

انور گیلانی بستر پر لاچار پڑے تھے، صبا کو رونا دیکھ کر کچھ نہ کر سکتے، وہ شکمل خٹس جاتے جاتے صبا کو اپنی بیماری بھی دے گیا۔

یہ سراسر ان کا ذاتی فیصلہ تھا، بخون سے سے منادی خاطر انہوں نے اپنی معصوم بیوی کو چوہدری ریاض جیسے مغربی اور بوس کے مارے ٹھکنے کے سپرد کر ڈالا تھا، کیوں ان کی آنکھوں پہ پٹی بندھ گئی، ان کی وہ پھول سی بیٹیاں ان کی ذرا سی محبت و توجہ کو ترستے ترستے موت کی گود میں جا سوتی تھیں۔

وہ کیوں اتنے شکمل ہو گئے تھے، وہ اب چاہتے بھی تو کفارہ ادا نہیں کر سکتے تھے، منہ بول فریضی نہیں تھے مگر ہو گئی تھی اور حریم کی نفرت کرتی ہے ان سے، وہ روز اس کا انتظار کرتے کہ وہ ان کے پاس آئے گی غالب احوال پوچھنے گی، مگر وہ نہیں آئی۔



وہ اس قافلہ میں ہیں کہ ان سے نفرت کی بات ہے۔ ساری زندگی اپنی بیویوں کو پیار کے دو بولوں کے قافلہ میں بھی نہ سمجھا، نہ اپنے روئے سے ڈرتے خوفزدہ کرتے رہے اتنا کہ ان کی شخصیت کو وہی اعتماد سے محروم کر دیا، فاروق کی زار اور رحمت کی سخن، ماں باپ کی محبت سے ماں باپ سے کھینچے چہرے سمیت دنیا سے قدم ہٹا کر چل رہی ہیں، اسنے کاروبار کو پھیلانے کی خاطر تین عیسوی بیویوں کی قربانی دی اور اس کے بعد بھی نہیں کسی قافلہ میں سمجھا۔

کاش وہ اپنی غالیوں کا کفارہ ادا کر سکتے، اب صابھی اجڑ گئی ہے کون جیتیں کرے گا اس کا کوئی قصور نہیں ہے، لیکن وہ اسے دوسری منزلہ میں بٹھ دینے کے، صبا کو بھرپور پیار اور اعتماد کے گراس کو دل جیتنے کی سعی کریں گے۔

”صابھی خدمت کرنی ہے میری، اس کے ساتھ جو بھی ہوا میرا میری غلطی ہے، لیکن اس نے ایک بار بھی مجھے نہیں جتایا نہ احساس دہایا، کاش حرم بھی مجھے معاف کر دے، کاش۔“ ان کے آنسو بہہ بہہ کر تھے مٹی جذب ہو رہے تھے، صابھی نے کراہنے کی ٹانگوں کی مالش کرنے لگی تھی، ڈاکٹر نے نے پانچ اسیسریس سائز اور مالش بتائی تھی، وہ روز ڈاکٹر کی ہدایات پہ عمل کرتی اور لیائی کے دل سے اس کے لئے دعا بھی نکلتی، جیسا کہ خالق کے بعد حرم کی نفرت میں پانچ اور بھی صاف ہو رہا تھا، وہ بے بسی سے رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے، لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ نفرت اور عدم توازن کی آگ میں جلنا کتنا گھٹیا ہے، وہ جانتا ہے، اسی آگ میں تو وہ بیوی اور بچوں کو جلاتے آئے تھے۔

نور بانو گل کی طرف بھی ہوئی تھی اس کے آگ میں وہاں سے ہونے لگی تھی، یا سرنے

کھانا کھا کر کمرے کا رخ کیا، اب بھی سو رہے تھے۔

یا سرنے کچھ تہہ میں کمرے کے لٹ گیا، اسے لیٹے ہوئے کچھ دیر ہی ہوئی ہوئی کہ کمرے کی لامپ بج گئی۔

”شاید لامپ بج گئی ہو۔“ اس نے خود سے کہا اور موبائل آن کر کے ناگہم دیکھنے لگا۔

اچانک اسے چونک جانا پڑا، بید کی ہنسی سائیڈ پر رکھی چیر یہ فری میچی تھی اس نے آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا کہ شاید یہ اس کی نظر کا جھوکا ہے، کیونکہ اس کے دل کے بعد اور ڈاکٹر کی زبانی یہ جاننے کے بعد کہ فری اپنی موت کے وقت وہ مادہ کے حمل سے تھی، وہ سکون کی خند نہیں سہا رہا تھا۔

نور بانو نے اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے قہر کے ساتھ اس کی شادی کی تیاری شروع کر دی دن تو وہ آٹھن میں گزار لیتا تھا رات عذاب بن کر اترتی، جیسے اب وہ جہنم پر پہنچی نظر آ رہی تھی۔

لیکن نہیں وہ سچی کچھ وہاں پہنچی تھی اور اسے سرد نگاہوں سے محروم رہی تھی، اس کے بعد وہ اندر کر اس کی طرف بڑھنے لگی، لامپ بج چکی تھی اور وہ اپنے اور آپ کے درمیان موجود فاصلہ کم کر رہی تھی، یا سرنے کے حلق سے نہ ختم ہونے والی چیخوں کا مسلسل سیرورج ہو گیا، وہ حلق کے بل جی رہا تھا۔

اگلی صبح اس کے لئے قیامت لئے طلوع ہوئی، رات کے کسی پہر فرج سے خود کو آگ لگلی تھی اور اب زندگی وحیات کی کشمکش میں باپنچل لامپ تھی مفری کی طرف وہ بھی بچاؤ سے فیصلہ چلی تھی اور چند گھنٹوں کی مہمان بھی۔

ہم نے سب لیا کافی اب تمہاری باری ہے موت بھی ضروری ہے زندگی بھی تو پیاری ہے

نور بانو اور یا سرنے خوش تھے کہ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلتا ہے اور وہ سچی محبت ہیں، مگر جو اوپر بیٹھا ہے وہ تو انہیں نہیں ہے، وہ اپنی جان چھوڑنے پہ جوش ہے کہ فری کے خرد والوں نے ذرا بھی پوچھ کچھ نہیں کی نہ ان یہ دستک کیا، مگر انصاف کرنے والے نے انصاف کر دیا تھا۔

”جیسا تمہارے کہہ دو مجھے معاف کر دو، کسی طرح اسے میرے پاس لے آؤ، میں مرنے سے پہلے اسے ایک بار تو سینے سے لگا لوں۔“ وہ کتنے دنے چھوٹے اور کھنکھرتے ہوئے نگ رہے تھے، کچھ کیسے زور آور تھے اور اب وقت نے کتنا جھکا دیا تھا۔

”صبا بیٹا میں تم سے بھی معافی مانگتا ہوں، بہت ذرا دیتا ہوں کی میں نے تم لوگوں کے ساتھ کچھ نہیں کیا، تمہارے دشمنوں کا بدوا کر سکا، لیکن بہت کمزور رہا، کتنا بد قسمت ہوں میں اپنے آنکھیں کھلنے والے معذور نازک بچہ لوں کی حفاظت نہ کر سکا، میری بچیوں تم پھول ہو، تمہارے باپ کی عدم توجہ نے ان ترمیم نازک بچہ لوں کو وقت کی بے رحم دھوپ سے جھلسا دیا۔“

”میری بچی مجھے معاف کر دو، حرم سے بھی مجھے معاف کر دو۔“ وہ پری طرح رو رہے تھے، حرم ادھر سے نڈر رہی تھی، چونکہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اس لئے پچھ پسلے اس کے کان میں آتے پڑ گئے، وہ تیر کی طرح اندر آئی، صبا رو رہی تھی۔

یہ شرمندہ نادہ کمزور بیمار شخص اس کا باپ تھا، وہ کچھ بھی کر سکتی یہ محبت تو دل سے نکلتے والی تھی تھی، انہیں اپنی زیادتی کا احساس تھا، حرم

کے سارے شہوے ایک ایک کر کے دم توڑ گئے، وہ انور گیلانی کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی، کتنا تڑپا اور تڑپا تھی وہ اس محبت کے لئے، اتنا کچھ کھونے کے بعد یہ محبت اسے ملی تھی، انور گیلانی کے ایک طرف صبا اور ایک طرف حرم تھی۔

”میری زندگی اب جو رہ گئی ہے میں اس میں ہر بل اپنی زیادتیوں کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کروں گا، میرے پاس اب دو بچہ لوں رہ گئے ہیں میں ان پہ خزاں نہیں دیکھ سکتا، میں آئندہ سے کبھی شرمندہ ہوں باری زندگی میں اپنی شریک حیات کو کتنے نہیں دے سکا، لیکن میں اب اس کا علاج شہر کے بہترین ڈاکٹر سے کرؤں گا اور صبا تم بھی تیار رہنا میں نے احد سے کہہ دیا ہے تمہیں ڈاکٹر احمد کے پاس لے جاتے، شاید سب ٹھیک ہو جائے۔“

”ابو آپ پریشان نہ ہوں۔“ صبا نے تسلی دی۔

”جیسا کہ تمہیں کو اپنی محبت کرنے والی بیٹیاں ہوں وہ کیوں پریشان ہوگا۔“ انہوں نے باری باری دونوں کا ماتھا چوما تو ایک ٹھنڈک ہی روح تک میں اترتی، ضمانت کے عجیب سے احساس سے وہ ابھی دوچار ہوئے تھے۔

”اے اللہ میرے گھر کی رکتوں کو سنا مت رکھنا۔“ صبا اور حرم کے پر سکون چہرے دیکھ کر انہوں نے دل میں دعا کی۔

صبا، حرم کے کپڑے خود رکھ رہی تھی، تو صبا آگئی اور سعید انکل نے اسے لینے آنا تھا، صبا مہندی کی کون لے کر آگئی اسے مہندی لگانے لگی لیکن اس نے انکار کر دیا۔

”میں مانتی ہوں ہمارے خواب اجڑتے ہیں جو پانی رو گیا ہے ہم نے اس کی حفاظت کر لی ہے، ہم اسے عرصے بعد اپنے گھر واپس جا

رہی ہو، پتہ چننا چاہیے کہ نئی ٹولی دوہیں ہو،  
 سلیمان سلیمان کی نیکی بہت اچھی ہے، ہزاری نیکی  
 ہے جو کراہیں آئے ان عین انہوں نے ہزار  
 بھر پور ساتھ دیا ایسے اچھے لوگوں کی قدر کرنی  
 چاہیے۔" وہ اسے سمجھا بھی رہی تھی، حریم نے  
 جب چاپ بھندی لگوائی، عبا مسلسل بولتی رہی،  
 حریم کا سر جھکا ہوا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب  
 معنی خیزی چمک بلکھ رہی تھی اور پھر اسے  
 کے تاثرات سخت تھے۔

سعید اور ثومیہ شام کے بعد آئے، وہ دونوں  
 انور گیلانی کے پاس بیٹھ گئے، انہوں نے کہا کہ  
 رات کا کھانا کھانے بغیر جانے نہیں دیں گے، ان  
 کی پیار بھری ضد کے آگے ٹوہرے اور سعید کی ایک  
 نہ چلی، عبا نے باور پتی کو ساتھ لگا کر کافی کچھ بنا  
 ڈالا جب وہ لوگ کھانا کھا کر نکلے تو وہیں بچ رہے  
 تھے آج حریم خوب بول رہی تھی، ثومیہ نے شکر بڑا  
 کیا کہ اس کے خدشات سچ ثابت نہیں ہوئے۔

.....  
 گھر میں حریم کا سب سے پہلے سامنا رعنا  
 اور شجاع سے ہوا وہ گرجوٹی سے اسے لپٹ گئی۔  
 "ویکم ویکم۔" شجاع بھی بہت خوش نظر آ  
 رہا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے اتنے دنوں کے بعد آنا،  
 بہت عمارے رشتہ دار دوست تم دونوں کی دعوت  
 کرنا چار سہ تین سب نہیں سب کو بتاؤں گی کہ تم  
 آگئی ہو اور آپ لوگ بھی اپنے اپنے دعوت  
 مانسے لے کر آ جاؤ۔" رعنا ایک سانس میں بولتی  
 تھی۔

وہ سب کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی  
 جب سلیمان واپس آیا، ان کے سروے سادہ انداز  
 میں حریم سے سب کی خیریت معلوم کی۔ رعنا تو  
 مسلسل شرارت سے اسے چھو رہی رہی۔

سلیمان نے شادی کے دو تین دن حریم کی

اس حرمت کے بارے میں گھر میں کچھ نہیں بتایا  
 تھا بلکہ رعنا اور شجاع سے پہلے گھر یا تھا پتہ نہیں وہ  
 مطمئن ہوئے کہ نہیں مگر سلیمان مطمئن تھا کہ اس  
 نے حریم کو بے وقوفی پر پردہ ڈال دیا ہے۔

حریم کا بیزار اور اکھڑا رویہ عبا سے بھی  
 پوشیدہ نہیں تھا، سلیمان اور اس کے گھر والوں کی  
 آمد پر وہ دنیا جہان کا تنہا اس کے چہرے پر سمٹ  
 آتا۔

جب ایک دن عبا نے وہی لفظوں میں کہا  
 کہ اب تمہیں گھر چاہا چاہیے تو جواباً اس نے کہا  
 کہ میں نہیں جاؤں گی مجھے طلاق چاہیے، عبا نے  
 حد پریشان ہوئی وہ ابھی طرح جانتی تھی کہ حریم  
 کے اس مطالبے کے در پردہ ماضی کی پردہ ڈالنے  
 حقیقتیں ہیں، تینوں بہنوں کی ہا کام اور اس زندگی  
 ان کے شوہروں کے رہے چہرے اس کی وجہ  
 ہیں، عبا نے بہت سوچا اور پھر سلیمان کو سب بتا

ایسے کسی کسی پر اعتبار نہ کرنا تھا  
 واسطے سب کچھ بتا دیا، پتہ نہیں اس کی اندرونی  
 حالت کی تھی مگر اس نے عبا کو پورا یقین دلایا  
 کہ وہ حریم کو ناراضی زندگی کی طرف لا کر اس کے  
 ذہن میں موجود کئی خیالات کا خاتمہ کر کے رہے  
 گا۔

عبا کچھ نہ کچھ پریشان ہوئی، ابو نے بھی  
 حریم سے گھر واپسی کا چنا، سلیمان کے مہذب  
 عادات و اطوار، جب سیت اور غائبانہ رویے اتنے  
 دنوں سے پوشیدہ تو نہیں تھا، انہوں نے خود  
 سلیمان سے کہا کہ حریم سے اگر کوئی بے وقوفی ہو چکی  
 جائے تو اس کی جذباتیت سمجھ کر نظر انداز کر دینا۔  
 حریم کی طرف سے وہ مطمئن تھے کہ کم از کم  
 اس کے لیے شریک سفر کا انتخاب کرنے میں ان  
 سے اس باریک بینی نہیں ہوئی ہے، حریم گھر واپسی پر  
 رضا مند کی تھی، عبا اور انور گیلانی دونوں بہت

خوش تھے۔

دعنا کے غائب ہونے کے باوجود حریم قبوے کے برتن اٹھا کر بچن میں لے گئی، تو میرے اس دوران اس کی حرکتوں کا بخور جائزہ لیتی رہی، شکر تھا کہ حریم نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا شروع کیا، ان کا سکون دیدنی تھا۔

دعنا اپنے بیٹے کو سلائے لے گئی، حریم کب بچن سے نکلی اسے نہیں پتہ تھا، اپنے کمرے میں جانے سے پہلے حریم سعید اور ٹومیہ کو گنڈ مائیٹ لپٹے کی تو وہ بہت خوش ہوئے اس کی حد درجہ محبت سے، ٹومیہ نے مسکرا کر سعید کو دیکھا ان کی نگاہیں کہہ رہی تھیں، دیکھنا میں بندہ تھی بھی حریم بہت فرما ہمدار اور بڑوں کا ادب کرنے والی ہے، سعید کی نگاہوں نے بھی اس کی تائید کی۔

سلیمان جب اس کے قریب بیٹھا تو اس کے تاثرات سے بھانپ گیا کہ حریم کچھ غور و فکر اور اپ سیٹھی ہے، ہر اسان اور پوچھنا ہی ہوگی۔ میں نے روٹھائی کا گھٹ بھی آپ کو نہیں دیا، بدست ہی نہیں آئے دی آپ نے، میں اب میرا خیال ہے یہ کام بھی ہو جاتا جیسے۔ سلیمان نے سائیڈ ٹیبل کی دروازے سے وہ نکلیں سیکس لکڑی، اندر بہت خوبصورت کونڈر سلٹ تھا، حریم نے خود ہی لیکن ایسا تو وہ اس کی چال کی یہ نہیں دیا۔

اب آپ مہمان ہیں تو ہمارے ہاں مہمانوں کے غمرے تو برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں مگر یاد رکھیے گا صرف آج کے دن آپ مہمان ہیں۔ سلیمان کے لیے لہجے میں بڑی نرم و نازک حقیقت چھانک رہی تھی، حریم نروں سی ہو گئی۔

آپ سو جائیے آرام سے، کل کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ وہ شرابی جملہ اچھا لکڑ پڑے بد لٹے چلا گیا، پھر وہ دانتی بڑی شہادت

اس کی طرف سے کمرے بدل کر نیت لیا۔

رات بڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی، سلیمان گہری نیند سویا تھا، جبکہ حریم باہر رہی تھی، وہ کافی دیر سے سلیمان کے سونے کا انتظار کر رہی تھی۔

منزلہ، قری، اور جہا کے ساتھ ہونے والی پر زیداتی کا حساب اسے سلیمان سے ہی چکا ہوتا تھا، جب وہ یہاں آئے پکے لئے تیار ہوئی تھی تو اسے پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ اسے سب راتوں کا حساب سلیمان سے ہی لینا ہے اس طرح ہی اس کے چلتے سکتے دن کو سکون ملتا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اور منزلہ اور قری اس فقرت کی بھیئت چھینیں۔

وہ اپنے جینی ایک اور حریم کو دنیا میں نہیں لانا چاہتی تھی، بچن میں جب وہ قبوے کے برتن رکھنے لگی تو گھٹ کا لئے دانتی چھری لگائی تھی اس کے دوپٹے سے پیچھے تھی، اس سے بچنے کے لئے گدے تلے رکھ دی۔

کچھ کیوں یہ پڑے پڑے بیٹے ہوئے تھے، چاند کی نر میں اندر جھانک رہی تھی، حریم نے نیٹے نیٹے ہی منڈیاں کرید کے گدے کے نیچے سے چھری نکلی، آہستگی سے وہ نیند سے اترتی اور گھوم کر سلیمان کی سائیڈ پر آئی۔ غیہ خیال اور برزخ میں مایوس وہ جیسے پورے پیر پر پھر اوجا تھا، اس نر میں نیم جوان کو موت تک رہی تھی اور اسے خبر ہی نہیں تھی، حریم نے چھری پوری قوت سے دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی، اس کا ہاتھ سر سے بلند ہوا چھری کا پھل چاندنی میں چمکا اور اس کا ہاتھ تیزی سے نیچے واپس آیا۔

بہت اور تیزی میں شاید اس کا اندازہ غلط ثابت ہو، چھری سلیمان کے بچانے بیٹھ جاتا

تھی اور بچن کی زوردار آواز ابھری، سلیمان کی نیند فوراً ٹوٹی اور اس نے اسی وقت بیدار ہو کر دیا تب حریم کا ہاتھ دوسری بار حرکت میں آیا اور سلیمان تیزی سے پیچھے ہوا، اس کی حاضر دماغی اور چھری برداشت کا سہاگن پورہ یہ چھری اس کے سینے میں بھی پیوست ہو سکتی تھی۔

حریم پھٹی چھٹی آنکھوں سے سلیمان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی، اسے اپنی موت کا یقین ہو چلا جب سلیمان نے وہی چھری بید سے اٹھائی اور اس کی طرف پلٹا، سلیمان بھی تو صبا لمبی اور منزلہ کے شوہر کی طرح ایک عاصم مرد ہوتی تو تھا روایتی بزدل مرد جو عورت کو روند کر اس کی روح زخمی کر کے خوش ہوتا ہے، اذیت کی شدت سے حریم نے آنکھیں بند کر لیں، سلیمان اس کے پاگل قریب آ گیا اسے قریب کہ وہ اس کی ہانسیوں کی آواز بھی سن سکتی تھی۔

وہ اپنی موت کی چھری لگائی تھی، اس کا ہاتھ بھر حال نہیں تھی کہ اپنی موت کا منظر کئی آنکھوں سے دیکھ سکتی، اسے دانتی اور کرب کو اس نے برداشت تو کرنا ہی تھا۔

سلیمان نے چھری اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

”لو اب مارو، اندھیرے میں وار کرنے کی کیا ضرورت ہے میں مانتے ہوں، مجھے مار کر اگر تمہارے کرب اور اذیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے تو مار دو، میں مردوں والے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔“ سلیمان کے لہجے کی سچائی اس کی شناسا بے دریا آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ تن کرنا قابل شکست چٹان کی طرح سامنے کھڑا تھا، آج آپ چھری حریم کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی، اسے خبر نہیں ہوئی کہ کب وہ ٹوٹی شاخ کی طرح سلیمان کے سینے سے چٹائی اور اس کے بازو کی مشبوط ہو گیا۔

طرح حریم کے وجود کے غمزدہ مائل ہوئے۔ دن کا دروازے آنکھوں سے بہہ رہا تھا، جس نے ہر پھری اذیت اپنے پرموں سے اسے بے سکون کر رکھا تھا آج شکر ہو گئی تھی، اب وہ زہر پھری حریم نہیں بلکہ ایک نام بارش کی لڑکی کے روپ میں تھی۔

بادلوں کی نر عزم بہت سے اس کی آنکھ تھلی تھی، نہ جانے بارش کس وقت شروع ہوئی، ٹیٹے کے پار باہر کا منظر واضح تھا، حریم نے پاس سے سلیمان کو بڑی محبت سے دیکھا، وہ بے خبر سو رہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ سلیمان کے سر کی طرف بڑھایا پھر جھک کر اس کی رات کے منہ پر اذیت ڈال دیا، اسے چاندنی اس کے چہرے پر چھری کی شرمیلی سی مسکان نے پورے وجود کو گویا روشن کر دیا، لان کے تمام درخت اور پودے بارش سے گھر گھٹنے تھے، فضا کی گرد اور دھندلا پن بارش کے سنگ بہہ گیا تھا، وہ اٹھ کر کچری کے پاس آ گئی اور اسے ایک طرف کھینک کر حویل دی، اس کی سوچوں پہ برسوں سے جی گرا بھی گویا آج بہہ گئی تھی، اپنا ہاتھ اس نے کچری سے باہر نکال دیا جو بارش کے قطرے سے بہت جلدی بھٹک گیا۔

کچری بند کر کے وہ دوبارہ سلیمان کی طرف آ گئی، اس کھڑ پڑنے سے وہ بھی جاگ گیا تھا۔ ”ادھر تو آؤ۔“ سلیمان نے اسے اپنی طرف گھمیت لیا، سلیمان کی گرفت میں نری تھی، رشتوں کا مان تھا اعتماد تھا، وہ اس دھار میں موسم کی طرح پھلتی چلی گئی، نازک سوچوں والی ریزہ ریزہ حریم کو سلیمان نے جوڑ کر مکمل کر دیا تھا۔

جس کا